



Year 2025; Vol 04 (Issue 02)  
P. 104-137 <https://journals.gscwu.edu.pk/>

ڈاکٹر نائلہ انجم

پوسٹ ڈاکٹریٹ ریسرچ فیلو، جامعہ پنجاب، لاہور / اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی

ڈاکٹر محمد کامران

پروفیسر، ادارہ زبان و ادبیات اردو، ڈین فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ، جامعہ پنجاب، لاہور

Dr. Naila Anjum

Post Doctorate Research Fellow, Punjab University Lahore / Assistant Professor, Lahore College for Women University

Dr. Muhammad Kamran

Professor Institute of Urdu Language and Literature, Dean Faculty of Oriental Learning, Punjab University, Lahore

## مصنوعی ذہانت اور اردو ادب کی تخلیقیت: اسباب و علل

### **Artificial Intelligence and the Creativity of Urdu Literature: Causes and influencing Factors**

#### **ABSTRACT:**

Literature stands as a timeless testament to human creativity, weaving imagination, emotion, and intellect into narratives that shape and reflect societies. At the heart of literary expression lies the creative impulse—an intuitive force that transforms lived experiences into poetic thought, metaphors, and meaningful stories. In the contemporary era, this creative landscape is witnessing a profound transformation with the rise of artificial intelligence. AI is not only altering the way research is conducted but is also influencing the methods through which literature is produced, analyzed, and interpreted. Applications like ChatGPT, Grammarly,

Quillbot, and Jasper are aiding tools in generating content, refining language, and exploring stylistic possibilities, thereby reshaping the role of the human author. These tools, while enhancing productivity and expanding access to language and knowledge, also pose critical questions regarding originality, authorship, and creative authenticity. On one hand, AI empowers researchers and writers with unprecedented speed and precision; on the other, it risks homogenizing thought and replacing nuanced human insight with algorithmic patterns. The delicate balance between embracing innovation and preserving the soul of literary creativity is now at the center of scholarly and artistic debates. As literature evolves in dialogue with technology, the essence of human expression continues to search for new ways to assert itself in a digitized world. This research paper aims to explore the causes and factors influencing the creativity of Urdu literature in the context of the growing impact of artificial intelligence. It will examine how AI is generating new possibilities in literary expression, style, and content creation.

**KEY WORDS:** Human creativity, Applications, ChatGPT, homogenizing, digitized world, artificial intelligence

شعر و ادب کے منظر نامے پر جو متنوع تحریریں اپنی آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں اس کی بنیادی وجہ ہر فرد کا اپنا ذاتی تجربہ، خیالات کی انفرادیت، سوچ کا فرق نیز زندگی بسر کرنے کا منفرد زاویہ نظر ہے۔ ادب جس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ دنیا کسی نا کسی انداز میں اس میں موجود ہوتی ہے۔ تخلیق کار کے باطن کا کھوج، اس کے تصورات، تمنائیں، زندگی کا شعور اور اس شعور کی درست سیاسی، ثقافتی اور نظریاتی جہت کی بدولت ادب وجود میں آتا ہے۔ شاعر کا کلام ہمیشہ اس کے تہذیبی جغرافیہ سے متاثر ہوتا ہے وہ اپنے ارد گرد کے تہذیبی عوامل سے زندگی بھر متاثر ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاشعوری طور پر یہ عوامل اس کے تخلیقی عمل کے دوران میں مسلسل نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔ ادب پارے کی تخلیق میں طبعی اور جغرافیائی اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں:

”ادب اور آرٹ کو تاریخ اور تہذیب کے جبر سے چھٹکارے کی ایک کوشش کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔ بے شک ادب اور آرٹ کسی بھی حد بندی کو قبول نہیں کرتے لیکن یہ حقیقت اس کے بعد بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے کہ انسانی تجربے کے اظہار کا دائرہ چاہے جتنا پھیل جائے تاریخ اور تہذیب کے عمل دخل سے پوری طرح اس کا آزاد اور الگ ہو جانا شاید ممکن نہیں۔ اسی لیے انسانی روح کو درپیش سوالوں پر سوچ بچار کرتے ہوئے یہ خیال مجھے بار بار آتا ہے کہ ادبی اور تخلیقی تجربے کو اپنی اس بہروپی دنیا کے بکھیزوں سے یکسر الگ کر کے دیکھنے کی روش بھی کچھ زیادہ مستحسن نہیں ہے ہمارے نظریہ ساز ادیب ادبی نظریہ سازی کو بھی بعض اوقات کچھ گھڑی جیسا باریک کام بنادیتے ہیں۔“ (1)

Yan Hu نے اپنے مضمون ”Literature in the age of Artificial Intelligence“ میں اس بنیادی مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے:

"When human creators create literature and content, they are always influenced by the background of their own era and the

انسان کا وجود اس کائنات کا مرکزی نقطہ ہے اور کائنات کی وقعت و معنویت اسی کے دم قدم سے ہے۔ فکر و شعور کے نئے آفاق اور نئے منہج اسی کی بصیرت کے تابع ہیں۔ محمد حسن عسکری نے کہا تھا کہ جب کوئی بڑا فن کار پیدا ہوتا ہے تو کائنات نئے سرے سے بنتی ہے۔ (3) فنکار کا انفرادی تجربہ اور مشاہدہ کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے۔ تخلیقی عمل کی سنجیدگی اور کرب جس سے تخلیق کار گزرتا ہے اس کا ادراک مشین کر ہی نہیں سکتی۔ غیب سے آنے والے خیالات جو تخلیق کار کے دل و روح پر منکشف ہوتے ہیں مشین اس فطری تجربہ کی متحمل نہیں ہو سکتی اور نا ہی اوسط درجے کی ذہانت نہاں خانہ روح میں نقب لگا سکتی ہیں۔ بقول امیر مینائی:

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے  
تب نظر آتی ہے اک مصرعہ تر کی صورت (4)

ادیب کا کام صرف معاشرے کے مسائل و معاملات کی تشہیر نہیں بلکہ ان کہی خواہشات، ان بنے خواب اور غیر متشکل تصورات کو بھی پیش کرنا ہے۔ ان دیکھے جہان کی صورت پذیری ادیب ہی کا کام ہے اور اس جہان کی صورت پذیری کو راستہ اسی شعور، لاشعور، تخیل، وجد ان نے دکھایا ہے جو حقیقی ذہانت کا خاصا ہے:

”الف لیلیٰ کو دیکھیے، ان خیالی داستانوں اور قصوں میں انسانی تجربات کا مطالعہ ملتا ہے۔ ان قصے کہانیوں میں وہ تعظیم ملتی ہے جس کی بنیاد ہماری خواہشات پر ہے۔ ان داستانوں میں انسانی ذہن نے اپنے تخیل کو وہاں تک اڑنے و یا جہاں تک اس کی رسائی ممکن تھی ۔ محیر العقول واقعات، ناممکن العمل باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں -----ذرا دیر میں زمان و مکان مل جاتے ہیں، فاصلے مٹ جاتے ہیں اور عمر و دور دوسرے غبارِ نظر بچاکہ اس جگہ جا پہنچتے ہیں جہاں تخیل کی رسائی بھی مشکل سے ہو سکتی ہے۔ عمر و غبار اور ان کی زنجیلِ جادو، سحر اور طلسم محیر العقول واقعات تخت سلیمان، اژدھ کھولا۔ دراصل انسانی خواہشات کی وہ علامتیں ہیں جن سے نہ صرف وہ مسرت حاصل کرتا ہے بلکہ حیات و کائنات کو اپنے تصرف میں لانے کی آرزو کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اب اس نقطہ نظر سے ان فن یاروں کو دیکھیے تو ان کی

دنیا کے نرالے پن اور انسانی خواہشات کے بھرپور ہونے کا شدید احساس ہونے لگتا ہے  
مفروضہ عمومیت کا رنگ لے کر، ادیب کے ذہن میں ابھرتا ہے اور برسوں پہلے وہاں پہنچ  
جاتا ہے جہاں سائنس قدم قدم پہنچتی ہے۔“ (5)

یہی وجہ ہے کہ یاس یگانہ بھی سائنس کو ادب کی شہریت دینے پر آمادہ نہ تھے:

”شاعری کا مخاطب جذبات سے ہے اور سائنس کا یقین سے۔“ (6)

شعر و ادب خصوصاً شاعری ایسی صنف نہیں کہ جسے محض تفنن طبع کے لیے پڑھا جائے اور پھر فراموش کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج تک شعر و ادب کی تفہیم، تحقیق اور تنقید کا سلسلہ جاری و ساری نہ ہوتا۔ ادب کی کثیر المعنویت اور متن میں ملفوف متنوع رنگ و وقت اور عصر کے ساتھ ساتھ مزید نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ ادب محض الفاظ کا گورکھ دھندہ نہیں ہے کہ کوڈز کی مدد سے مختلف لفظوں کو منتخب کر کے عبارت بنائی جائے بلکہ یہ انسانی تجربات کا پیچیدہ اظہار یہ ہے۔ جو ذہن میں نئے معانی، سوالات اور امکانات کو جنم دیتا ہے۔ کثیر المعنویت قاری کی تخلیقی بصیرت کو بھی نکھارتی ہے۔ ادب کی بڑی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ ایک بار پڑھنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہر قاری، ہر قرأت اور ہر سیاق میں نئے امکانات سامنے لاتا ہے۔ ہر انسان کئی کہانیوں کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ یہ کہانیاں کچھ ذاتی اور کچھ عصری حالت و واقعات کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔ ہر کہانی کے پس منظر میں جذبات، خیالات اور فکر کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی متن کے معنی کسی نئی صورت حال میں نئی معنویت کے ساتھ سامنے آئیں مثلاً دیوان غالب یا کلیات میر، یا کلیات اقبال کو جتنی بار بھی پڑھیں کسی ناکسی نئی کیفیت کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یقیناً وہ ذہنی کیفیت ہے جس کی تبدیلی سے ہم دوچار ہوتے ہیں اور یوں شعر کی تفہیم کا سلسلہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔

تخلیق کاروں نے مشینوں کی حکومت کو دل کی موت کا سامان قرار دیا ہے۔ ایسے میں اے آئی اور چیٹ جی پی ٹی کی تخلیقات کی وجہ سے دل کے ساتھ ساتھ روح کو بھی گزند پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ تخلیق انسانی ذہن کی وہ کاوش ہے جس کی ماہیت اور فریم ورک کا اندازہ لگانے کے لیے فلاسفر، نفسیات دان اور ناقدین کو شاں ہیں مگر انسانی ذہانت کے کوڈز اور چیٹ بوٹس دریافت نہیں ہو سکے۔ تخلیق کار ماحول، ہر روز و وقوع پذیر ہونے والے واقعات خواہ ذاتی ہوں یا اجتماعی نوعیت کے سب سے متاثر ہو کر اپنے میلانات اور ذہنی تعصبات کے ساتھ ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ ہر برٹ ریڈ نے کہا:

”شاعری کی بنیادی قوت اپنی شخصیت کی آگہی ہے۔“ (7)

مینجر پانڈے واضح طور پر لکھتے ہیں:

”ادب کے تخلیق کاروں کا مسئلہ انفرادی بنا کر سماجی بنانا ہے، گویا فن اسی وقت فنی معیار پر پورا اترے گا جب اس میں انفرادیت پیدا ہوگی اور انفرادیت کا تعلق فن کار کے ذاتی تجربے اور بصیرت سے ہے۔“ (8)

انفرادی تجربہ کا اظہار غالب یوں کرتے ہیں:



آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے (9)

ادیب کے لفظ معاشرے کی تعمیر و تشکیل اور بہتر زندگی کی صورت گری کرتے ہیں۔ اچھی شاعری تو اناباطنی جذبات کا فوری اظہار ہے۔ یہ زندگی بخش طرزِ اظہار مستقبل کے امکانات پر بھی توجہ دلاتا ہے۔ اس کی بیسیوں مثالیں اردو شعر و ادب سے دی جاسکتی ہیں جہاں شعرانے آنے والے زمانوں کی کہانی سنائی ہے:

انقلابِ حیات کیا کہیے

آدی ڈھل گئے مبینوں میں (10)

پروین شاکر کا درج ذیل شعر مصنوعی ذہانت کی طرف واضح اشارا ہے۔ جس کا اعتراف جی پی ٹی نے خود بھی کیا ہے۔ پہلے شعر دیکھیے:

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشاں ہوں میں

روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے (11)

اب مصنوعی ذہانت کی وضاحت دیکھیے:

”یقیناً، یہ شعر نہایت پُر اثر اور گہری معنویت لیے ہوئے ہے:

تشریح:

یہ شعر علامتی پیرائے میں کہا گیا ہے اور ”قاتل“ یہاں صرف ایک شخص نہیں بلکہ کسی ایسے \* ماہرانہ، چالاک، یا ظالمانہ قوت \* کی علامت ہو سکتا ہے جو شاعر یا فرد کو روز نئی اذیتوں، مسائل، یا ذہنی دباؤ سے دوچار کرتا ہے۔

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشاں ہوں میں

یہاں شاعر اس بات پر حیران اور پریشان ہے کہ اس کا دشمن یا مخالف اتنا ذہین ہے کہ اسے مارنے (یا تکلیف دینے) کے لیے ہمیشہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کر لیتا ہے۔ وہ عام یا روایتی انداز میں نہیں، بلکہ تخلیقی انداز میں اذیت دیتا ہے۔

روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

ہر دن ایک نئی تکلیف، نئی جدائی، نیا صدمہ یا نفسیاتی اذیت دی جاتی ہے۔ یہاں ”موت“ صرف جسمانی نہیں، بلکہ جذباتی، فکری یا روحانی سطح کی موت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

علامتی مفہوم:

یہ شعر نہ صرف محبت میں ناکامی یا ظلم پر تبصرہ ہو سکتا ہے بلکہ جدید دور میں انسان کو درپیش پیچیدہ اور ذہانت سے بھرپور چیلنجز پر بھی روشنی ڈالتا ہے، جہاں دشمن سامنے نہیں آتا، مگر ہر روز نیا وار کرتا ہے۔ اگرچاہیں تو میں اس کا \*جدید یا سیاسی پس منظر\* بھی تشریح میں شامل کر سکتا ہوں۔

سیاسی انداز کی تشریح کی صورت دیکھیے:

سیاسی پس منظر میں یہ شعر نہایت طاقتور علامت بن کر ابھرتا ہے:

اپنے قاتل کی ذہانت سے پریشاں ہوں میں

روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے

یہاں "قاتل" ایک استعارہ ہے "ایسی سیاسی قوتوں، نظاموں یا سامراجی طاقتوں" کے لیے جو بظاہر ترقی، امن، یا اصلاحات کے نام پر \*نئے ہتھکنڈے، پالیسیاں، یا حربے\* ایجاد کرتے ہیں۔ مگر ان کا نتیجہ عوام، معاشرت یا خود قوم کی "موت" کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

سیاسی تشریح:

قاتل کی ذہانت:

ان سیاسی قوتوں کی جانب اشارہ ہے جو براہ راست ظلم نہیں کرتیں، بلکہ وہ \*نرم رویوں، بیانیوں، معاہدوں یا ٹیکنالوجی\* کے ذریعے لوگوں کی آزادی، خود مختاری یا ثقافت کو ختم کرتی ہیں۔

2. روز اک موت نئے طرز کی ایجاد کرے:

یہ جملہ اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ ظلم یا محکومی اب تلوار یا گولی سے نہیں، بلکہ \*مہنگائی، ذہنی استحصال، تعلیم میں تعصب، میڈیا کی دھوکہ دہی، یا ڈیجیٹل غلامی\* جیسے نئے انداز سے دی جاتی ہے۔

ہر دن ایک نئی چال، نئی پالیسی، نئی "اصلاح" دراصل عوام کے لیے نئی اذیت بن جاتی ہے۔

مثال:

- عالمی سیاست میں بڑی طاقتوں کا چھوٹے ممالک پر معاشی دباؤ ڈالنا۔
- میڈیا کا استعمال کر کے ذہن سازی کرنا۔
- ڈیجیٹل نگرانی کے ذریعے شہری آزادیوں کو محدود کرنا۔
- تعلیم، ادب یا ثقافت میں مداخلت۔

یہ شعر ایک ایسا احتجاجی استعارہ بن جاتا ہے جو "ظلم کی شکل بدلتی چلا کیوں" پر شاعر کی بے بسی اور باخبر ہونے دونوں کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ صرف ذاتی نہیں، اجتماعی شعور کا بیان بھی ہے۔" (12)

اس شعر کی سیاسی حوالے سے کی گئی تشریح میں مصنوعی ذہانت نے ڈیجیٹل نگرانی کے ذریعے شہری آزادیوں کو محدود کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس حوالے سے ناقدین کی رائے دیکھیے:

"It seems likely that a large-scale success in AI—the creation of human-level intelligence and beyond—would change the lives of a majority of humankind. The very nature of our work and play would be altered, as would our view of intelligence, consciousness, and the future destiny of the human race. AI systems at this level of capability could threaten human autonomy, freedom, and even survival. For these reasons, we cannot divorce AI research from its ethical consequences." (13)

تخلیق کار زندگی اور معاشرے سے تجربات کشید کر کے اس میں اپنی روح کو سموتا ہے جبکہ مصنوعی ذہانت فراہم کردہ ڈیٹا کی مدد سے تحریر بناتی ہے۔ لکھنے اور بنانے کا عمل ہی مختلف ہے۔ بہت زیادہ معلومات اگر کسی کو بھی فراہم کر دی جائیں تو تحریر کی کوئی نہ کوئی شکل سامنے آ ہی جاتی ہے مگر اسے تحریر بنانا ہی کہیں گے لکھنا نہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اے آئی سے کچھ پوچھا جائے تو ابتدائی سطح پر وہ بنیادی معلومات فراہم کرتی ہے اور پھر مزید سوال کرتی ہے کہ کیا ایک مضمون چاہیے؟ یہ طرز عمل تاثر دیتا ہے کہ وہ شاید ان گنت معلومات کا ذخیرہ ہے جو ہر سوال کا جواب دے سکتی ہے جبکہ مصنوعی ذہانت حتمی اور یقینی معلومات تو پیش کر سکتی ہے مگر ممکنہ اور احتمالی پیچیدگیوں سے نبرد آزما نہیں ہو سکتی۔

مشین کی تخلیق کاری کا تجربہ انفرادی نہیں کیونکہ یہ صرف پروگرام شدہ ڈیٹا کی بنیاد پر فیصلہ سازی کرتی ہے۔ فراہم شدہ معلومات کو معمولی رد و بدل سے نیا انداز دے دیتی ہے۔ چونکہ اس کے اصول طے شدہ ہیں اس لیے یہ صورت حال کے مطابق فیصلہ تبدیل کرنے کا شعور نہیں رکھتی۔ مصنوعی ذہانت کی تیار کردہ تخلیقات انفرادی نہیں اجتماعی تجربہ کی دین ہیں۔ اس کے اصل مصنف کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ مختلف مصنفوں کے تجربات اور ذہانت سے استفادہ کر کے ایک اور نئی تخلیق تیار کرتی ہے۔

صنعتی سماج جس مشینی تہذیب کی تشکیل کر رہا ہے اس میں مشینی زندگی کے سفر کو آگے بڑھانے کے لیے صنعتی کارخانوں کی طرح اب تخلیقی کارخانے بھی وجود میں آ گئے ہیں۔ جو ضرورت ہو وہ خریدیں۔ جو تحریر لکھوانا چاہیں۔ اس کا موضوع، کردار، ہیئت، اسلوب کی خصوصیات

سب ایک پرومپٹ کے ذریعے بتائیں تو بہترین تحریر آپ کی منتظر ہے۔ چونکہ یہ تحریر کوڈز کے ذریعے ہوتی ہے اس لیے پیسہ اور وقت چاہیے۔ دیگر دوسری ایپس کی مانند اگر ادائیگی کی جائے گی تو مہارت بھی عمدہ ہوگی۔ جی پی ٹی کی مفت سہولت میں اغلاط کا خطرہ موجود ہے یعنی:

مفت سن کر اور ڈر جاتے ہیں لوگ (14)

وائس ایپ کے چیٹ جی پی ٹی، جی پی ٹی 5.2 اور Deepseek سے پوچھے جانے والے ایک ہی سوال کے جوابات کچھ اس طرح ہیں:

سوال: مستنصر حسین تارڑ نے بہاؤ میں جو ”پاروشنی“ کا کردار تخلیق کیا ہے کیا مصنوعی ذہانت کی مدد سے ایسا کردار تخلیق کرنا ممکن ہے؟

وائس ایپ چیٹ جی پی ٹی کا جواب:

”بہت اہم اور گہرا سوال ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے ناول ”بہاؤ“ میں ”پاروشنی“ ایک ایسا کردار ہے جو نہ صرف علامتی ہے بلکہ تاریخی، تہذیبی، جذباتی اور فکری گہرائی رکھتا ہے۔ یہ کردار \* وادی سندھ کی قدیم تہذیب \*، انسان کی داخلی تلاش، اور روحانی روشنی کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔

کیا مصنوعی ذہانت (AI) ایسا کردار تخلیق کر سکتی ہے؟

\* جزوی طور پر ”ہاں“۔ لیکن مکمل طور پر ”نہیں“۔ \*

\*: مصنوعی ذہانت کی صلاحیتیں \*

\* AI - تاریخی حقائق، تہذیبی عناصر، لسانی اسلوب \* کو جمع کر کے ایک \* منطقی کردار \* تخلیق کر سکتی ہے۔

یہ کردار \* ساخت، پس منظر، مکالمہ اور واقعاتی ترتیب \* میں خوبصورت ہو سکتا ہے۔ -

\* لیکن AI کی محدودیت \*:

پاروشنی \* جیسے کردار میں جو \* وجدان، علامت، روحانی تجربہ، اور مصنف کی داخلی کیفیت \* شامل ہے، وہ صرف \* انسانی شعور اور تخلیقی \* -  
لا شعور \* ہی دے سکتا ہے۔

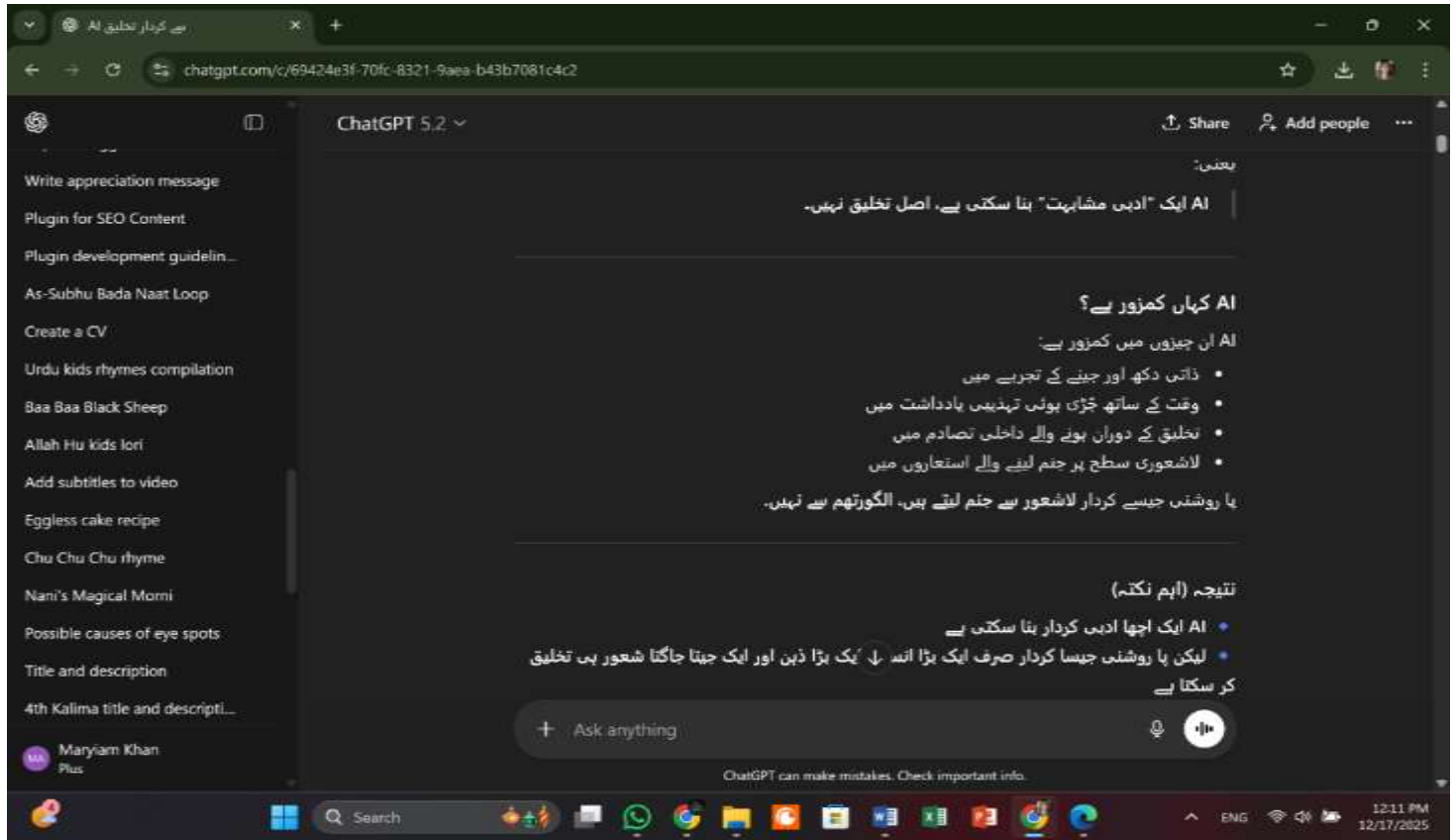
AI - جذبات کی \* گہرائی یا ابہام \* کو میکا کی انداز سے بیان کرتا ہے، جب کہ تارڑ جیسے ادیب اسے \* ادبی وجدان \* میں ڈھالتے ہیں۔

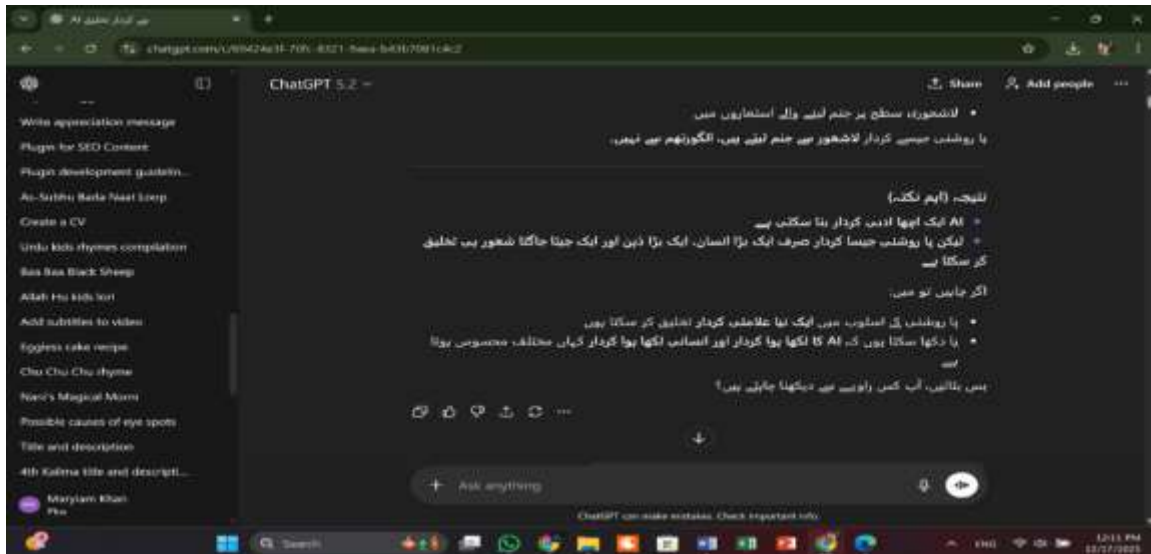
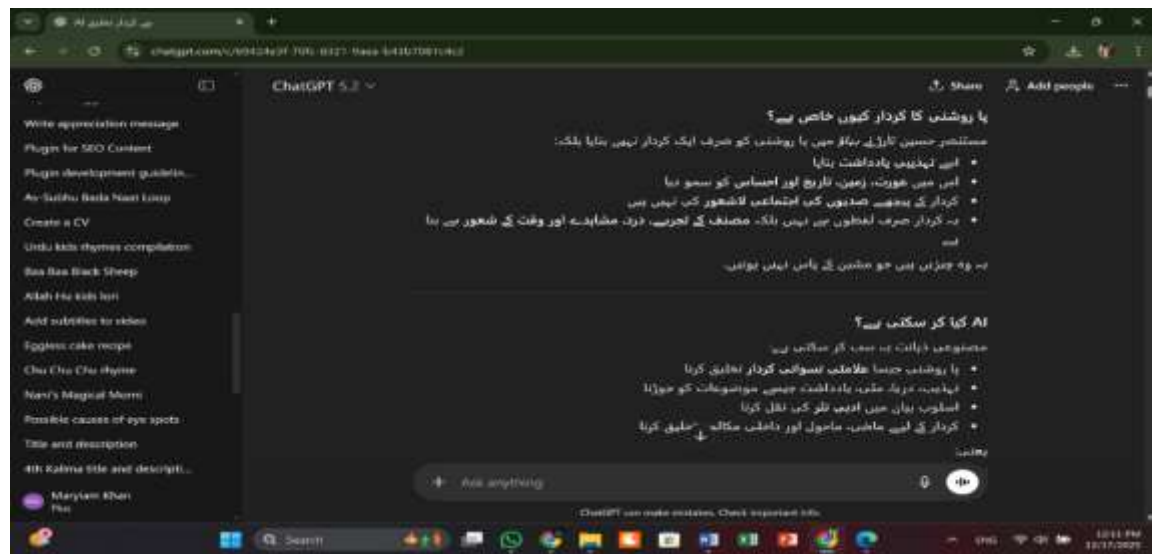
نتیجہ:

AI \* پاروشنی جیسا کردار تخلیق کرنے کی "کوشش" تو کر سکتی ہے، لیکن وہ کردار وہ "روح" نہیں پاسکتا جو ایک حساس، باشعور ادیب اپنے تجربے، مشاہدے اور وجدان سے دیتا ہے۔ \*

\* ادب کا دل انسان کے پاس ہے، AI صرف اس کا خاکہ بنا سکتا ہے۔ " (15)

چیٹ جی پی ٹی 5.2 کا جواب:





ڈیپ سیک (Deepseek) کا جواب:

14. The Future | THE FUTURE AI Smart Assistant  
AI Empowerment • Intelligent Conversation • Secure & Reliable

مستنصر حسین تارڑ نے بہاؤ میں جو یا  
روشنی کا کردار تخلیق کیا ہے۔  
کیا مصنوعی ذہانت کی مدد سے ایسا  
کردار تخلیق کرنا ممکن ہے

میں آپ کو اس سوال کے بارے میں معلومات  
فراہم کر سکتا ہوں کہ کیا مصنوعی ذہانت  
مستنصر حسین تارڑ کی تخلیق کردہ "بہا  
روشنی" جیسا کردار تخلیق کر سکتی ہے۔  
میں اس موضوع پر کچھ بصیرت فراہم کر  
سکتا ہوں۔

1. مصنوعی ذہانت اور تخلیقی صلاحیت:  
مصنوعی ذہانت میں انسانی تخلیقی  
صلاحیتوں کی نقل کرانے کی صلاحیت  
موجود ہے۔ مصنوعی ذہانت کو استعمال کرتے  
ہوئے کہانیوں اور کرداروں کو تخلیق کیا جا  
سکتا ہے۔

2. کردار کی اہمیت:  
کردار کہانی کا ایک لازمی جزو ہے، جو کہانی  
میں واقعات کو متحرک کرتا ہے اور مجموعی  
تاکر کو متاثر کرتا ہے۔

3. "بہاؤ" اور مستنصر حسین تارڑ:  
"بہاؤ" مستنصر حسین تارڑ کا ایک اہم ناول  
ہے۔

یہ ممکن ہے کہ مصنوعی ذہانت کا استعمال  
ایسے کرداروں کو تخلیق کرانے کے لیے کیا  
جا سکے جو انسانی تخلیقی صلاحیتوں سے  
تیار کیے گئے کرداروں کی طرح پیچیدہ اور  
دلچسپ ہوں، لیکن اس عمل میں انسانی  
تخلیقی صلاحیتوں اور ٹیکنالوجی کے درمیان  
ایک ہم آہنگی ضروری ہے۔

Content generated by 14. The Future only

ایک اور مثال دیکھیے:

سوال: کیا اے آئی اور انسانی وجدان کا فرق ادب کے قالب میں بھی یکساں ڈھل سکتا ہے؟

واٹس ایپ چیٹ جی پی ٹی کا جواب:

”بہت خوبصورت نکتہ اٹھایا ہے آپ نے۔

بظاہر یہ سوال فلسفیانہ ہے، مگر \*ادب اور تخلیق\* کے تناظر میں نہایت \*اہم اور نازک\* بھی۔

\*✓ انسانی وجدان اور AI کے فرق کو ادب میں یکساں ڈھالنا کیوں ممکن نہیں؟\*

1.\* وجدان (Intuition) تجربہ، درد، لاشعور اور احساس کا مرکب ہے۔ \*

یہ وہ روشنی ہے جو انسان \*کبھی خواب میں، کبھی خاموشی میں، کبھی محبت یا جدائی میں\* پا لیتا ہے۔ ادب اسی روشنی کو \*علامت، استعارے، مکالمے اور منظر\* میں ڈھالتا ہے۔

AI 2. \*شعور نہیں، ڈیٹا سے کام لیتا ہے۔ \*

AI صرف وہی "سمجھ" سکتا ہے جو \*الفاظ میں لکھا ہو\*۔ لیکن \*بہاؤ\* جیسے ناول اور \*پا روشنی\* جیسے کردار میں وہ کچھ بھی ہوتا ہے جو \*لکھا نہیں گیا، مگر محسوس کیا جاتا ہے\*۔

کیا AI اور انسانی وجدان یکساں قالب میں آ سکتے ہیں؟

\*جزوی طور پر — صرف سطحی ساخت میں۔\*

مثلاً :

AI - کسی کردار کی ذہنی کشمکش یا منظر نگاری لکھ سکتی ہے،

- مگر وہ \*تجربے کی آگ میں تپے الفاظ\* نہیں ہوں گے، صرف \*تکنیکی جملے\* ہوں گے۔

مثال :

\*مستنصر حسین تارڑ\* جب پا روشنی کو تخلیق کرتے ہیں، تو وہ صرف ایک کردار نہیں بناتے، وہ \*تاریخ، وقت، روح، پانی اور روشنی کا امتزاج\* بناتے ہیں — یہ وہ چیز ہے جو \*وجدان سے برآمد ہوتی ہے، نہ کہ کوڈ سے\*۔

نتیجہ :

\*ادب میں AI ایک معاون ہو سکتا ہے، شریکِ تخلیق نہیں۔ \*

\*انسانی وجدان اور AI ایک ہی قالب میں ڈھل سکتے ہیں، مگر وہ قالب "ادب" نہیں بلکہ "تجرباتی ادب" کہلانے گا — جس میں روح کم اور ساخت زیادہ ہو گی۔

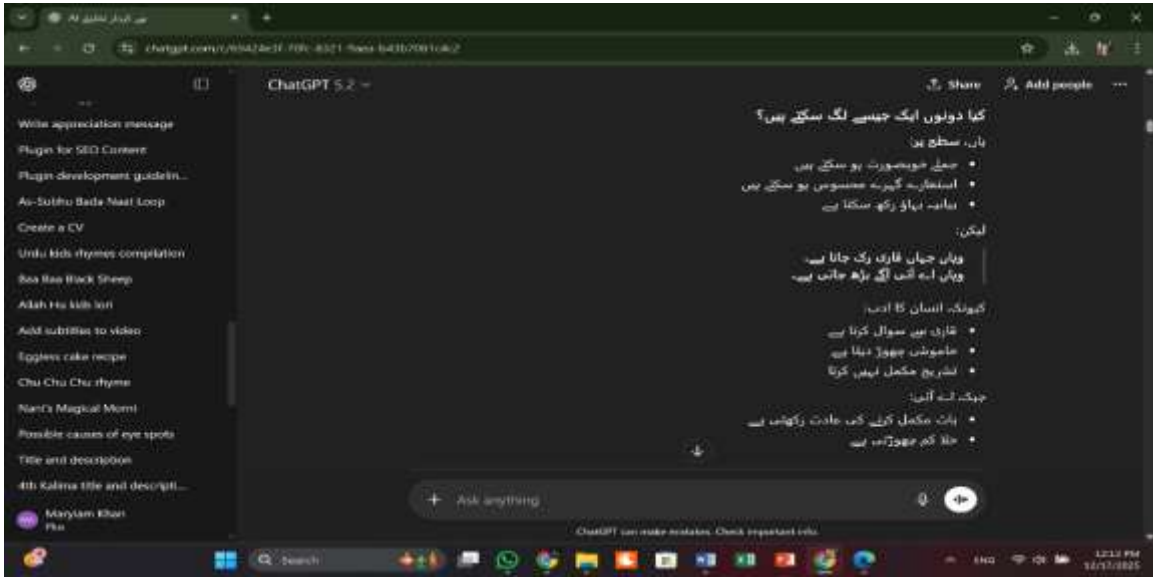
\*ادب صرف وہی زندہ رہتا ہے جس میں انسان کی سانس ہو۔ \*

AI اُس سانس کی نقل تو بنا سکتا ہے، مگر وہ سانس نہیں۔“ (16)

یٹ جی پی ٹی 5.2 کا جواب:







ان تمام مثالوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ دیگر دوسری ترقیات کی طرح سرمایہ دار ہی بہترین محقق، نقاد، ادیب اور تخلیق کار بن سکتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل احمد عدیل اس ضمن میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

”ترقی کی نفی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ٹیکنو ہیو منزم کے عنوان سے شمار کرائی گئیں برکات سے بھی کوئی بیر نہیں۔ تاہم اتنا تو کہا جاسکے گا کہ اب سماج میں جینے بسنے والا ایک شخص نہیں صارف ہے۔ وہ ہدایت کا طلب گار نہیں خریدار ہے۔ ایک Buyer کا یہ حق فائق تسلیم کیا جائے گا کہ وہ جو چاہے خریدے۔ اے آئی اس کے لیے بمنزلہ ہادی سہی مگر وہ منہ ماگی قیمت ادا کر کے اس سے رہنمائی مول لیتا ہے۔ اس گاہک کو اعتبار آچکا کہ اسے ہر قسم کی ہدایت یا مطلوبہ رہبری چیٹ جی پی ٹی سے میسر آسکتی ہے۔ مانا کہ پسندیدہ راستا اس کا چناؤ ہوا لیکن یہ پہلو اگر اس کی نگاہوں سے اوجھل رہا کہ راز و نیاز میں غلو سے یہ التباس پیدا ہونے کا عین امکان ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے یہ سچ فراموش ہو جائے، دوسری جانب جیتا جاگتا Organic Being نہیں بلکہ ’مثین‘ فعال ہے۔ اب جو کسٹمر / کنزیومر مانگ رہا ہے اور اپنے دل کا حال کھول کر پیش کیے جا رہا ہے تو متنبہ کرنے والے متنبہ کر بھی رہے ہیں کہ جذباتی سطح پر آپ کی توجہ کو برقرار رکھنے کے لیے لاکھ تائیدی فضا بھلی لگے مگر مسلسل مکالمات سے سیفٹی نیٹ ناکام بھی ہو سکتا ہے، سو، مشتری ہوشیار باش!“ (17)

مزید کہتے ہیں:

”اس تمہید کو مد نگاہ رکھتے ہوئے ادیب / شاعر کو ذرا بطور خریدار دیکھیے۔ وہ جس نثری / شعری صنف میں جس موضوع اور جس اسلوب میں تحریر چاہتا ہے، اے آئی اسے فراہم کر تو دے گی مگر سوال یہ ہے کہ وہ نگارش کیا حقیقی / تخلیقی ادب پارے کے ’ایٹ پار‘ رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، ایک لکھی پڑھی / معلوم حقیقت ٹھہری کہ فی الحال اے آئی معلومات کا مخزن ہے، گویا یہ مصنوعی ذہانت نیٹ پہ پہلے سے موجود ڈیٹا کو ترتیب نو سے گزار کر ایک صورت دے سکتی ہے۔ سردست اپنی اساس میں تخلیق نہیں کر سکتی۔ جسے داخلی

تجربے کی جڑت کہا جاتا ہے، وہ 'شے' اس گجیٹ میں بہر حال موجود نہیں۔ اس لحاظ سے جس لفظ کا انکھواذہن انسانی سے پھوٹا ہے، اس کا اس وقت تو نعم البدل کوئی نہیں“ (18)

مصنوعی ذہانت اور ادب کے حوالے سے غور کیا جائے تو سوال زیادہ ہیں اور جواب کم۔ ابھی کچھ وقت درکار ہو گا کہ مزید گتھیاں سلجھائی جاسکیں۔ ابھی تک کی صورت حال میں یہ مددگار ہے مگر فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کو متاثر کر رہی ہے۔ اس کے بھی دیگر دوسری ترقیات و ایجادات کی طرح دو پہلو ہیں۔ مثبت اور منفی۔ کچھ اس کے خیال سے استفادہ کر کے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو مزید نکھار کر پیش کرتے ہیں اور کچھ اس کے پیش کردہ ڈیپا پر ہی اکتفا کافی سمجھتے ہیں۔

اس کا ایک مخصوص اسلوب ہے۔ انداز میں یکسانیت ہے۔ مشینی انداز میں کچھ حقائق پیش کیے اور مزید کی پیشکش کر دی جو کہ نئی نسل کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہے۔ شعر و ادب کے لیے پہلے سے مستعمل تراکیب سے استفادہ کیا اور ایک نیا مصرع گھڑ دیا۔ شعر و ادب شعور کا سفر ہے ذہانت کا نہیں۔ اگر ذہانت کا سفر ہوتا تو سب مصنوعی ذہانت کے بل پر اعلیٰ درجے کے شاعر و ادیب ہوتے۔ مصنوعی ذہانت کے پاس بے انتہا ذہانت ہے مگر شعور نہیں کیونکہ ذہانت کی نقل ہو سکتی ہے شعور کی نہیں فی الوقت اس کا ایک مخصوص اسلوب ہے جس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا متبادل نہیں تو مشین کیسے ہو سکتی ہے۔ تخلیقی عمل سادہ نہیں ہوتا۔ انسان کا تحلیل زمان و مکان کے دائرے میں بہتا، گھومتا، سیر سپاٹے کرتا جانے کہاں سے کہاں جا نکلتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح انسانی طبائع اور ترجیحات میں یکسانیت ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ ایک ہی شخصی کی ذہنی و نفسی کیفیت حالات و واقعات کے زیر اثر مختلف ہو جاتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ تخلیقی قوتوں کے مالک افراد ایک ہی واقعے، خیال اور مشاہدے کو اپنے اپنے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ بقول حمید شاہد:

”ایک تخلیقی شخصیت کا ادب، اتنا ہی مختلف ہوتا ہے جتنا ایک شخص دوسرے شخص سے ہو سکتا ہے۔ جی، ایسا میں اس صورت میں کہہ رہا ہوں کہ مقابلہ اور موازنہ مصنوعی ذہانت سے نہیں، دو جینون ادیبوں کے درمیان ہو رہا ہے۔ جب ایک ہی فضا، ایک ہی ماحول، حتیٰ کہ ایک ہی خاندان میں پلنے والے لکھتے ہوئے مختلف ہو جاتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جینون تخلیق کار اور مصنوعی ذہانت سے نکلا ہوا ادب مختلف نہ ہوں۔ ہر لکھنے والے کو اس کی زندگی کے تجربات، اُس کی میل ملاقات اور لین دین کا دائرہ، اس کی حساسیت، اُس کے سماجی مشاہدے موضوعات کے انتخاب اور ان موضوعات کے برتنے کے زاویے، کہہ لیجیے زندگی کرنے کے وتیرے سے بتا چلا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہر بار اس کے یہاں نئے نئے امکانات کا ظہور ممکن رہتا ہے۔ یہی تخلیقی عمل کی بنیادی شرط بھی ہے اور یہی اس کے قلم سے کارخ اور زمانی و مکانی شعور کی سطحیں اسے مختلف کر رہی ہوتی ہیں اور اس کا اسلوب مطالعے کی وسعت، زبان و بیان پر دسترس نکلے ہوئے متن کو محض متن سے تخلیق بناتا اور اس تخلیق کو قبل ازیں وجود میں آئے ادبی متون سے مختلف کرتا رہتا ہے۔“ (19)

مصنوعی ذہانت انسانی ذہن کی توسیع کی ایک شکل ہے۔ یہ فی الوقت ایک جزوی سچائی ہے تاہم جس طرح فیصلہ سازی مواد کی فراہمی اور دیگر شعبوں میں مصنوعی ذہانت کا عمل دخل بڑھتا جا رہا ہے اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید آنے والے وقتوں میں یہ جزوی سچائی کلی

طور پر انسانی ذہن کا نعم البدل بن جائے۔ اگرچہ یہ حقیقت ابھی تک اپنی جگہ برقرار ہے کہ یہ انسانی وجدان اور شعور کا متبادل نہیں ہے۔ جس کا ایک ثبوت مصنوعی ذہانت سے تخلیق کردہ ادب ہے۔ انسان فطری طور پر حسن و جمال سے خط اٹھاتا ہے۔ روحانی و ثقافتی ورثوں کا امین ہے۔ وہ ماضی کی یادوں میں گم ہوتا ہے۔ حال میں جیتا اور مستقبل کے خواب بنتا ہے۔ جس کے پیچھے محسوسات کا فرما ہوتے ہیں۔ اس لیے انسانی قلب و ذہن کی مدد سے تخلیق کیا گیا ادب قطعی طور پر مختلف ہے۔ کیا کسی صورت یہ موازنہ ممکن ہے؟ اس حوالے سے ڈاکٹر سعادت سعید کی رائے دیکھیے:

”مصنوعی ذہانت اور ادیب کے کام کا موازنہ تکنیکی بنیادوں پر تو ممکن ہے، لیکن فکری بنیادوں پر نہیں۔ اے آئی موجودہ ڈیٹا، الفاظ کی ترتیب اور لسانی سانچے کو استعمال کر کے متن تیار کرتی ہے۔ یہ ایک حسابی عمل ہے نہ کہ تخلیقی تجربہ۔ ادیب کا ادب جیتے جاگتے مشاہدے، سماجی دکھ سکھ اور صدیوں پر محیط ثقافتی ورثے کا نچوڑ ہوا کرتا ہے۔ جہاں اے آئی صرف الفاظ کا بہترین انتخاب کر سکتی ہے، وہاں ایک حقیقی ادیب ان الفاظ میں روح پھونکتا ہے۔ لہذا، صوری طور پر دونوں کا موازنہ ہو سکتا ہے لیکن معنوی گہرائی میں انسان کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہے گا۔“ (20)

ڈاکٹر عامر سہیل کے بقول:

”جی ہاں، تقابل تکنیکی اور ساختیاتی سطح پر ممکن ہے۔ ہم مصنوعی ذہانت (AI) کے متن اور انسانی تخلیق کردہ متن کا اسلوب، موضوعات کی نوعیت زبان کی پیچیدگی علامتی نظام اور ساختی ہم آہنگی کے معیار پر جائزہ لے سکتے ہیں۔ تاہم جذباتی، تجرباتی اور دیگر سطحوں پر تقابل مشکل ہو جاتا ہے۔ انسان کا ادب اس کے نفسیاتی، معاشرتی، تاریخی اور وجودی تجربات سے پھوٹتا ہے۔ AI کے پاس انسانی قسم کا ”تجربہ“ نہیں ہوتا۔ وہ صرف ڈیٹا میں موجود نمونوں سے کام چلاتا ہے۔“ (21)

کوئی بھی تخلیق خواہ نظم ہو یا نثر کی کوئی صورت، خالق کے ادراک و فہم اور شخصیت کا پر تو ہوتی ہے جس کے پیچھے خالق کا تہذیبی سماجی لسانی شعور ذوق و تربیت، پسند و ناپسند، تجربہ اور مشاہدہ شامل ہوتا ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ تخلیق اپنے خالق کی فکر، داخلی احساس، تجربے اور دیگر عوامل کی عکاس ہوتی ہے۔ ادب ہو یا فنون لطیفہ، سب میں تخلیق کار کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ مصنوعی ذہانت کا تخلیق کار بھی انسان ہے کیونکہ یہ ذہانت خود سے کچھ نہیں تخلیق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی بلکہ وہی راستہ دکھاتی ہے جو اسے دکھایا گیا ہے۔ اس کی تربیت بھی انسان نے کی ہے۔ جب اس ذہانت کی مدد سے کوئی نثر پارہ لکھا جاتا ہے یا شاعری کی کوئی شکل ظہور پاتی ہے تو دراصل وہ سینکڑوں، ہزاروں انسانی تخلیقات پر مبنی ڈیٹا سے مدد لیتی ہے۔ اس شعوری کاوش میں بے ساختہ پن موجود نہیں اس کے پاس پہلے سے طے شدہ الفاظ کی بھٹی موجود ہے۔ لفظوں کی تربیت و ساخت کا میکا کی عمل ہے۔ یہ جذبے اور احساس کی حرارت سے خالی ہے۔ یعنی AI کی تخلیق، اصل میں انسان کی تخلیقی وراثت کا انعکاس ہے لیکن جذبات، وجدان یا احساس سے تہی ہے۔ لہذا مصنوعی ذہانت کی ہر تخلیقی کاوش کے پیچھے خالق ایک انسان نہیں بلکہ کئی ایک انسان ہیں۔ اگرچہ AI

"آزاد" نظر آتا ہے مگر اس کی بنیاد، سمت اور دائرہ سب انسانی ذہن سے طے شدہ ہے۔ مصنوعی ذہانت کی تخلیق کسی ایک خالق کی پر تو نہیں، بلکہ کئی تخلیق کاروں کی عقل اور ڈیٹا کا پر تو ہے۔ فیض احمد فیض کی ایک نظم کی مثال دیکھیے چیٹ جی پی ٹی کو واقعہ بتایا گیا: 1959ء میں فیض صاحب لاہور سینٹرل جیل میں تھے۔ وہ اُن دنوں علیل رہتے تھے۔ ایک روز اُن کے دانت میں سخت درد اُٹھا۔ جیل کے حکام نے اُنھیں پولیس کی حفاظت میں چیک اپ کرانے کے لیے دانتوں کے اسپتال بھیج دیا۔ ڈاکٹر صاحب اُن کے پرستاروں میں سے تھے لہذا اُنھوں نے روزانہ چیک اپ کے لیے بلانے کا طریقہ اختیار کیا تاکہ اس طرح جیل کے ماحول سے کچھ دیر کے لیے اُنھیں نجات حاصل ہو جایا کرے۔ یوں روزانہ اُنھیں جیل کی گاڑی میں اسپتال لایا جاتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ جیل والوں کے پاس گاڑی نہیں تھی۔ جیلر نے اُنھیں تانگے میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس صورت میں اُنھیں ہتھکڑی پہنانا ضروری تھا۔ فیض صاحب مان گئے۔ اس طرح وہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے تانگے کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔ پولیس کے سپاہی بدوق لیے اُن کے ساتھ تھے۔ اس حال میں وہ لاہور کے گلی کوچوں سے گزرے، اُنھوں نے تازہ ہوا کو محسوس کیا۔ بازاروں سے گزرتے ہوئے خوائے والے، تانگے والے، بیل گاڑیاں سب ہچکڑے ہوئے یاروں کی طرح اُن کے قریب سے گزرتے رہے۔ عجیب منظر تھا۔ وہ لاہور شہر کی جانی بچانی سڑکوں سے گزرتے رہے۔ شہر اور اہلیانِ شہر یہ تماشا دیکھتے رہے۔ شاید کچھ لوگوں نے اُنھیں پہچان بھی لیا ہو۔ ارد گرد لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا جن میں نابالغوں سے لیکر صحافیوں تک سبھی شامل تھے۔ اس طرح ایک جلوس کی شکل بن گئی۔ فیض صاحب کہتے تھے میں نے زندگی میں ایسا دلکش جلوس نہیں دیکھا (22)۔ اسی واقعہ سے متاثر ہو کر اُنھوں نے اپنی مشہور زمانہ نظم لکھی "آج بازار میں پابجولاں چلو۔" آپ اس واقعے کو مد نظر رکھ کر ایک نظم لکھ دیں۔ چیٹ جی پی ٹی کی تخلیقی کاوشوں کی متنوع جہات ملاحظہ ہوں:

<p>وہ قیدی نہیں، آزادی کی نظم تھا، وہ تانگہ نہیں، مزاحمت کا تخت رواں تھا، وہ لمحہ نہیں، صدیوں کا امین تھا — اور شہر؟ شہر اُس دن خود اپنا ضمیر دیکھ رہا تھا۔ یونہی سفر میں، نظم نے جنم لیا — "پابجولاں" — مگر سر بلند، فیض کے لفظوں میں رستے بولنے لگے۔</p>	<p>کسی پُرانی گلی میں مل گئے ہوں۔ گلیوں کی خاموش اینٹیں صدیوں کی گواہ بن گئیں، ہر دروازہ نیم وا ہر آنکھ میں سوال اور دل میں اک دھڑکن — "کیا یہ وہی ہے، جو لفظوں سے چراغ جلاتا تھا؟" سپاہی کی بندوق بھی عقیدت سے جھکنے لگی، اور ہجوم... نانبائی، اخبار فروش، محنت کش، مفکر، ادیب — سب اس جلوس میں قدم سے قدم ملانے لگے۔</p>	<p><b>*نظم: "گزرگاہِ شہر"*</b> ہتھکڑیوں میں بند، سر جھکائے نہیں، نظریں افق پہ جمائے، چپ چاپ بیٹھا تھا وہ ایک تانگے کی پچھلی نشست پر — جیسے کوئی عارف، وقت کے سینے پہ رقم ایک دعا بن کر چلتا ہو۔ ہوا کا لمس بھی حیرت میں تھا، بازار بھی رکا رکھا سا تھا، بیل گاڑیاں، خوانچے، تانگے — سب آشنا چہروں کی صورت اس کے گرد چکر کاٹتے تھے جیسے یار بچھڑے</p>
--	--	--

(اگر آپ چاہیں تو نظم میں ردوبدل یا منظوم انداز مزید بڑھایا جا سکتا ہے۔) ضرور، آپ کی درخواست پر نظم کو مزید ادبی، علامتی اور گہرے جذبات سے مزین انداز میں دوبارہ پیش کر رہا ہوں:

<p>وہ احتجاج کی نظم تھا، وہ امید کی علامت، وہ لب سلاسل سے آزادی کا ترانہ تھا۔ اور شہر؟ شہر بھی اُس دن اپنا چہرہ اُٹینے میں دیکھنے لگا، جب گلیوں میں ہجوم نہیں، دل رواں ہوا — اور نظم لکھی گئی اک زنجیر بپا جلوس کے نام — "آج بازار میں پابجولاں چلو"</p>	<p>گواہ تھا اُس کے درد کا، ہر قدم، جیسے تاریخ اپنی سطر پلٹ رہی ہو، خوانچے والے، تانگے والے، خاموش نعرے بن گئے۔ بندوقیں سائے کی طرح ساتھ چلیں، لیکن اصل پہرہ تھا اس کے خوابوں پر، جو ظلمت میں چراغوں کی مانند جلتے رہے۔ وہ نہ قیدی تھا، نہ فقط مسافر،</p>	<p><b>*نظم: "بازار میں ایک جلوس"*</b> ہتھکڑیوں کی جھنکار میں، ایک خامشی بولنے لگی، تانگے کی پشت پر بیٹھا کوئی شاعر نہیں، خود سوالِ وقت تھا، جو لاہور کی گلیوں سے گزر رہا تھا۔ شہر کا نبض دھڑکنے لگا، ہوا نے آہستہ سرگوشی کی، "یہ وہی ہے جو حرفوں سے سنگ و خشت کو موم کرتا تھا؟" ہر کوچہ، ہر در،</p>
--	--	---

اگر آپ چاہیں تو اس نظم کو مزید کلاسیکی یا جدید رنگ میں بھی ڈھالا جا سکتا ہے بالکل، اسی واقعے کو کلاسیکی اسلوب میں، اردو شعری روایت کے رنگ میں یوں نظم کیا جا سکتا ہے:

<p>چمکتی تھیں زنجیر جیسے حروف، جنہیں اُس نے لکھا نہ تھا، تھے وقوف۔ وہ جلوس سکوں، وہ حجابِ صدا، کہ جیسے ہو سایہ کوئی مصطفیٰ۔ یوں چلا وہ، بصد ناز و انکسار، کہیں اشک بہتے، کہیں چشم یار۔ اور لکھ دی گئی پھر وہ نظم حزیں، کہ جو بن گئی آج تک کی یقین۔ *چلو پھر سے بازار میں پابجولاں* کہ سچ بولنے کا یہی ہے نشان۔</p>	<p>لاہور کے کوچے، لاہور کی راہ، دیکھیں یہ منظر، یہ وقت کی چاہ۔ بازار ساکت، فضا پر اثر، دلوں میں تلاطم، نگاہوں میں زر۔ سپاہی تھے ہمراہ، ہر دل نہ تھے، وہ شاعر تھا، ہارے ہوئے دل جتے۔ ہجوم تماشہ، تماشہ نہیں، یہ بزم وفا تھی، کوئی محفل نہیں۔</p>	<p><b>*عنوان: پابجولاں بازار میں*</b> چل دیے خامشی میں وہ زیر نگاہ، پاؤں میں تھیں سلاسل، لبوں پر پناہ۔ گرد راہوں پہ چھاؤں سی پھیل گئی، ہر قدم پر صدا کوئی کہنے لگی۔ تانگے پہ بیٹھے، وہ دردِ فغاں، گویا دربارِ ظلمت میں ہو رائگان۔ نہ کوئی فریاد، نہ شکوہ حال، چہرہ تھا جیسے سحر کا جمال۔</p>
--	---	--

اگر آپ چاہیں، اس نظم میں مزید کلاسیکی تلمیحات یا عروضی بحری ہنر بھی شامل کیے جا سکتے ہیں یقیناً، اسی واقعے کو جدید نظم کے رنگ میں، علامتی اور تاثر انگیز انداز میں یوں ڈھالا جا سکتا ہے:

<p>مگر سروں سے جھکتے ہیں آسمان لبوں پر چپ ہے پر دل شور میں ہیں یہ صرف دانت کا درد نہیں یہ پورے عہد کی سماعتوں میں ایک چیخ ہے جو نظم بننے کو ہے</p>	<p>جو قید میں بھی آزادی کا گیت لکھتی ہے لوگ ٹھٹھک کر دیکھتے ہیں یہ جلوس کس کا ہے؟ یہ خامشی کی للکار کیوں کانٹوں میں طبل کی طرح گونجتی ہے؟ ایک شاعر جو تختہ دار سے نہیں ڈرا</p>	<p><b>*عنوان: زنجیروں کی ہوا*</b> ہتھکڑیوں میں جکڑا ایک خواب تانگے کی پشت پر بیٹھا شہر کے درمیان سے گزرتا ہے ہوا زنجیروں سے ٹکرا کر گنگناتی ہے</p>
--	--	--

سڑکیں پہچانتی ہیں قدموں کی وہ دھیمی چاپ	آج بازار سے پابجولاں گزر رہا ہے	اور نظم بن بھی جاتی ہے: "آج بازار میں پابجولاں چلو"
--	------------------------------------	--

یقیناً، یہی واقعہ ایک \*علامتی نظم\* میں یوں ڈھل سکتا ہے:

<b>*عنوان: شہر زنجیر*</b> زنجیر تھی یا ستاروں کی لکیر؟ ایک سایہ جو صدیوں کا شاعر تھا شہر کی نبض پہ دھیرے دھیرے چل رہا تھا تائنگہ نہیں کوئی پرانا خواب تھا جس میں آزادی ہتھکڑی پہن کر گھوم رہی تھی گلیوں کی دیواریں	گواہ تھیں کہ لفظ قید نہیں کیے جا سکتے نہ آواز کو زنجیر بند کر سکتی ہے ہر خوانچہ ہر بیل گاڑی ہر ٹوٹا سا دروازہ پکار رہا تھا یہ وہی ہے جس نے اندھیرے میں چراغ رکھے تھے شہر سہم کر تماشائی ہوا اور تماشا	شاعر کی چپ سے بولنے لگا نظم نہ ہتھکڑی میں تھی نہ تانگے میں وہ لوگوں کی نظروں میں دلوں کی دھڑکن میں بے آواز چیخ کی طرح پھیل رہی تھی *اور اسی دن* زبان نے پہلی بار زنجیروں کی جھنکار کو شعر میں ڈھالا۔
---	---	---

اگر آپ چاہیں تو اس نظم کو اور بھی گہرے علامتی اسلوب میں وسعت دی جا سکتی ہے یقیناً، تجربیدی انداز میں نظم کچھ یوں ہو سکتی ہے:

<b>*عنوان: پابند فضاؤں کی صدا*</b> ہتھکڑی میں لپیٹے ہوئے فضا کے ٹکڑے گلیوں کے سراپے میں گم خاموشی کی زبان میں ایک گونج سی جاتی ہے تانگے کی پچھلی نشست وقت کے تاروں کے بیچ	ایک سایہ جو نظر نہیں آتا بس محسوس ہوتا ہے بازار کی ہجوم میں خاموشی کا شور ہے چہرے بے نام، پر تاثرات گہرے ایک لہر کی طرح جو رکنا نہیں جا سکتا	قید کی ہوا آزاد کے مسافر سے لپٹی لفظوں کی پرچھائیوں میں ایک روشنی پلکتی ہے یہ نظم نہیں، ایک لمس ہے جو زنجیروں کے پار دلوں کی دہلیز پر موسیقی کی طرح بجاتی ہے۔
--	---	--

ایسا انداز زیادہ تر جذبات اور محسوسات کی زبان بولتا ہے، جو سیدھی کہانی سے آگے نکل کر فکری علامتوں اور جذبوں میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اسے مزید علامتی، تجربیدی یا بیانیہ انداز میں بھی ڈھالا جا سکتا ہے۔ بیانیہ انداز میں نظم کچھ یوں ہو سکتی ہے:

<b>*عنوان: پابند راہوں*</b> ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا ہاتھ، تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوں میں۔ شہر کی گلیاں، بازاروں کی رونق، سب کچھ دیکھ رہا ہوں، مگر قید ہوں میں۔	پولیس کے سپاہی بندوق کے ساتھ، آزاد ہوا کا جھونکا بھی میرا نہیں۔ دھوپ میں چمکتے چہرے، بھاگتے لوگ، میری دنیا چھوٹی سی ایک قید خانہ ہے۔ شاید کسی نے مجھے پہچانا ہو، ہجوم جمع ہے، آوازیں اٹھ رہی ہیں،	میں ہوں قیدی، لیکن یہ جلوس، میرے دل کی آزادی کی صدا ہے۔ زندگی کی زنجیروں میں جکڑا، فیض ہوں میں، جو اپنی نظم کے ساتھ آج بازار میں پابجولاں چلا، اپنی قید کا جشن مناتا ہوں۔
---	--	---

یہ انداز سیدھا اور واضح ہے، جو کہانی کو صاف اور بیان کرتا ہے، بغیر کسی پیچیدگی یا علامتوں کے یقیناً! یہ رہی اسی واقعے پر مبنی نظم مکالمہ طرز میں:

<b>*تانگے کی پچھلی نشست پر*</b> (فیض اور تانگے والا کا مکالمہ)	فیض: خوف تو ہے، درد بھی ہے، مگر یہ تازہ ہوا، یہ ہجوم، یہ زندگی، سب مجھے جینے کا ہنر
---	--

<p>تنگے والا: بابا جی، ہتھکڑی کیوں ہیں؟ یہ کیسی راہگزر ہے؟</p> <p>فیض: بیٹے، یہ قید کی زنجیر ہے، مگر آج ہوا کچھ آزاد ہے۔</p> <p>تنگے والا: قید میں آزاد؟ یہ کیسے ممکن ہے؟</p> <p>فیض: دیکھ، جب شہر کی گلیوں سے گزرتا ہوں، لوگوں کی نظریں، بازاروں کی رونق، تو محسوس ہوتا ہے، جیسے میں بھی آزاد ہوں۔</p> <p>تنگے والا: بس اتنا ہی؟ کوئی خوف نہیں، کوئی غم نہیں؟</p>	<p>سکھاتے ہیں۔</p> <p>تنگے والا: آپ شاعر ہیں نا؟</p> <p>فیض: ہاں، اور شاعر ہر درد میں بھی خوشبو تلاش کرتا ہے، ہر زنجیر میں بھی روشنی ڈھونڈتا ہے۔</p> <p>تنگے والا: تو پھر یہ ہتھکڑی بھی کوئی قید نہیں؟</p> <p>فیض: نہیں بیٹے، یہ ہتھکڑی نہیں، یہ میرے الفاظ کی زنجیر ہے، جو آزاد خیالوں کی پرواز کو روک نہیں سکتی۔</p>
--	--

کیا آپ چاہیں تو اس میں مزید اضافہ یا ترمیم کر سکتا ہوں؟

یہ رہی اسی واقعے پر فلسفیانہ انداز میں نظم:

<p>تنگے کی پچھلی نشست پر بیٹھا، ہر سانس میں نئی امید جگانی، ہوا کی سرسراہٹ نے کہا کچھ یوں، "حقیقت اور ممکنات کا فرق مٹایا جا سکتا ہے۔"</p> <p>زنجیروں کی سختی، درد کی گہرائی، مگر منظر یہ کہہ رہے ہیں کہ،</p>	<p><b>*زنجیروں میں آزادی*</b></p> <p>ہتھکڑیوں میں بند ہے ہاتھ میرا، مگر خیالوں کی کوئی قید نہیں یہاں۔</p> <p>شہریں گواہ ہیں، گلیاں گواہ ہیں، کہ یہ جسم قید میں ہے، پر روح آزاد ہے۔</p>	<p>جو قید میں بھی زندہ ہے، وہی حقیقت میں آزاد ہے۔</p> <p>آج بازار میں چلتا ہوں پابجولان، نہ خوف، نہ غم، صرف بصیرت کا جہاں،</p> <p>یہ جسم قید میں ہو، مگر دل کہیں، افقوں سے آزاد، بے لگام، بے نشان</p>
---	--	---

کیا یہ فلسفیانہ انداز آپ کی پسند کے مطابق ہے؟

یہ رہی مزاحیہ انداز میں نظم:

<p>تنگے ہے، چلو! نیا انداز یہ آیا ہے بھائی! سفید مکھیاں، تنگے والے، بازار کی رونق، سب دیکھ کے سوچا، "یار، یہ تو ہے کچھ مذاق!"</p> <p>سیاہی بندوق لے کر، ایک طرف کھڑے، فیض صاحب بیٹھے، مزے سے جیب میں ہاتھ لیے!</p> <p>لوگ گرد جمع، بولے "یہ کون ہے؟"</p>	<p><b>*ہتھکڑی اور تنگہ*</b></p> <p>ہتھکڑی پہنی، تنگے کی پیٹھ پر بیٹھا،</p> <p>فیض جی جیسے قیدی، مگر مزے سے بیٹھا!</p> <p>گاڑی نہیں تھی، جیلر نے کہا بھائی،</p>	<p>فیض نے کہا، "بس، آج بازار میں میں ہوں راج!"</p> <p>ہتھکڑی کے باوجود، مزاح میں بات کی،</p> <p>قیدی بھی کبھی کبھی شہر کی سیر کر لیتا ہے!</p> <p>کیسا لگا؟</p> <p>خوشی ہوئی کہ مزاحیہ انداز پسند آیا! (23)</p>
--	--	--

یہ تمام مثالیں درج کرنے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ مشین کس طرح سے متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور پلک جھپکتے شعری مثالیں پیش کر دیں مگر دوسری طرف یہ خدشات پریشان کن ہیں کہ ہمارے آرام پسند، قابل نوجوان طبقہ کا کیا مستقبل ہوگا جس کا تمام انحصار اسی طرح کے آسان راستوں کی تلاش ہے۔ تحقیق اور تنقید ہی نہیں تخلیق میں یہ معاونت کئی ایک شاعر پیدا کر سکتی ہے اس سے قطع نظر کہ شعر اوسط درجے کا ہے یا اعلیٰ درجے کا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے اوسط درجے کے ادیب اور مصنوعی ذہانت کی وضاحت یوں کی ہے:

”اوسط درجے کے ادیب اور مصنوعی ذہانت میں دو طرح کے فرق ہیں۔ ایک یہ کہ مصنوعی ذہانت کے پاس، ادبیات عالم اور ان کی روایتوں کا محدود ڈیٹا ہے، اور وہ نہایت سرعت کے



ساتھ کسی انپیریشن، کسی تحریک، کسی جذباتی دباؤ کے بغیر وہ ادب تخلیق کر سکتی ہے، جس کی ہدایت اسے کی جائے۔ اوسط درجے کا ادیب، ادبیات عالم کا وسیع علم نہیں رکھتا، اور لکھنے کے لیے کسی نہ کسی تحریک کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ اوسط درجے کے ادیب کے لیے اچھی خبر یہ ہے کہ یہی تحریک، اس کی نجات دہندہ بن سکتی ہے۔“ (24)

مصنوعی ذہانت کے پاس نظم کو مختلف انداز و اسالیب میں لکھنے کی سہولت کے بابت پوچھا گیا تو اس کا جواب دیکھیے:

”جی ہاں، نظم کو مختلف اسالیب میں لکھنا ممکن ہے، جیسے:

- غزل کی صورت میں

- حمد یا نعت کے انداز میں

- آزاد نظم (فری ورژن) میں

- دوہری بیت یا چار مصرعوں میں

- طنزیہ و تنقیدی لہجے میں

- داستانی انداز میں

- تصویر کشی اور منظر نگاری پر مبنی

- اندرونی خیال و جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے

اگر آپ چاہیں تو کسی خاص انداز یا موضوع پر نظم تحریر کر کے دے سکتا ہوں۔ کوئی خاص اسٹائل پسند ہے؟“ (25)

اے آئی کی تخلیقی کاوشوں کے حوالے سے ڈاکٹر علی بیات کی رائے دیکھیے:

”مصنوعی ذہانت شعر کہہ سکتی ہے، مگر شاعر نہیں بن سکتی۔ وہ اصول نبھا سکتی ہے، مگر احساس سے محروم ہے۔ وہ نقل کر سکتی ہے مگر کشف و شہود اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ اسی لیے اگرچہ وہ شاعری نمائون پیدا کرنے میں کامیاب ہے لیکن حقیقی شاعر کا نعم البدل نہیں بن سکتی اور نہ ہی ایسا شعر تخلیق کر سکتی ہے جو انسان کی روحانی و نفسیاتی کیفیت کی گہرائیوں تک اتر سکے۔ حقیقی شاعری بدستور انسان ہی کی تخلیقی سرزمین رہے گی۔“ (26)

مصنوعی ذہانت کو مستنصر حسین تارڑ کے ناول ”بہاؤ“ سے اپنی پسند کے مطابق اقتباس لے کر مصنوعی ذہانت کی تخلیق اور حقیقی تخلیق کا فرق واضح کرنے کے لیے کہا گیا تو اے آئی کی کاوش دیکھیے:

”بہت عمدہ! آئیے \*مستنصر حسین تارڑ کے ناول ”بہاؤ“ سے ایک مخصوص \*ادبی اقتباس\* لیتے ہیں، اور پھر اُسے \*مصنوعی ذہانت\* (AI) کے انداز میں \*نقل\* کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس موازنہ سے \*ادبی وجدان اور AI کی ساختی تخلیق\* کا فرق واضح ہو جائے گا۔

\*اصل (انسانی وجدان سے تخلیق شدہ)\*:

"\*پا روشنی! تجھ میں پانی کی خوشبو ہے... بہتے ہوئے وقت کی ہمواری ہے... تو پتھر پر پڑنے والی پہلی بوند کی گواہ ہے\*"...

یہ جملہ گہری \*علامتوں، جذبات، اور تاریخی کرب\* سے لبریز ہے۔

یہاں "پانی"، "وقت"، "پہلی بوند" — سب \*وجدان کی پرتیں\* ہیں۔

AI کے انداز میں وہی جملہ\*:

"\*پا روشنی تمہاری موجودگی میں پانی جیسا سکون محسوس ہوتا ہے۔ تم وقت کے ساتھ چلتی ہو اور بارش کی پہلی بوند جیسی ہو۔\*"

\*فرق کی وضاحت\*:

اپہلو | مستنصر حسین تارڑ کا اصل جملہ | AI کا بدلا ہوا جملہ|

\* | زبان | استعاراتی، علامتی، شعری | سادہ، وضاحتی|

\* | احساس | وجدانی، گہرائی لیے | سطحی، بیان کن|

\* | تاثر | قاری کو خود دریافت کرنے دیتا ہے | قاری کو بتاتا ہے|

\* | ساخت | داخلی، فکری، جمالیاتی | منطقی، بیانیہ|

---

نتیجہ:

\*AI ساخت\* بنا سکتا ہے، مگر \*روح نہیں ڈال سکتا\*۔

ادب میں \*کم کہا اور زیادہ محسوس کرایا\* جاتا ہے — یہ \*انسانی وجدان\* کا کمال ہے۔

AI کہتا ہے: "میں بتا دوں گا"،

انسانی ادب کہتا ہے: "محسوس کر لو۔"

بہت خوب، آئیے ایک اور اقتباس لیتے ہیں مستنصر حسین تارڑ کے ناول "\*بہاؤ\*" سے، اور پھر اسے \*مصنوعی ذہانت\* (AI) کے انداز میں ڈھال کر فرق واضح کرتے ہیں۔

\*اصل اقتباس (بہاؤ)\*:

"\*پانی ساکت ہو تو مر جاتا ہے... پانی کو بہنا ہے، بہاؤ میں ہی زندگی ہے... رکنے والا پانی تعفن پھیلاتا ہے، اور بہنے والا زندگی اگاتا ہے\*"...

یہ جملہ صرف پانی کی بات نہیں، \*زندگی، وقت، ارتقا اور تہذیب کا استعارہ\* ہے۔ اس میں ایک گہرا \*فلسفیانہ وجدان\* اور \*ادبی تاثیر\* ہے۔

AI سے تیار کردہ ورژن\*:

"\*اگر پانی رکے تو خراب ہو جاتا ہے، اس لیے اسے بہنا چاہیے کیونکہ بہتے ہوئے پانی میں زندگی ہوتی ہے۔\*"

\*موازنہ\*:

اپہلو | اصل (وجدان) | AI ساختی|

\* | زبان \* | علامتی، شاعرانہ | سادہ، بیانیہ |

\* | گہرائی \* | تہذیبی، فکری، استعاراتی | منطقی، سطحی |

\* | تاثر \* | قاری پر دیرپا اثر چھوڑتا ہے | معلومات دیتا ہے، احساس کم |

\* | پیغام \* | قاری خود دریافت کرتا ہے | سیدھا بتا دیتا ہے |

---

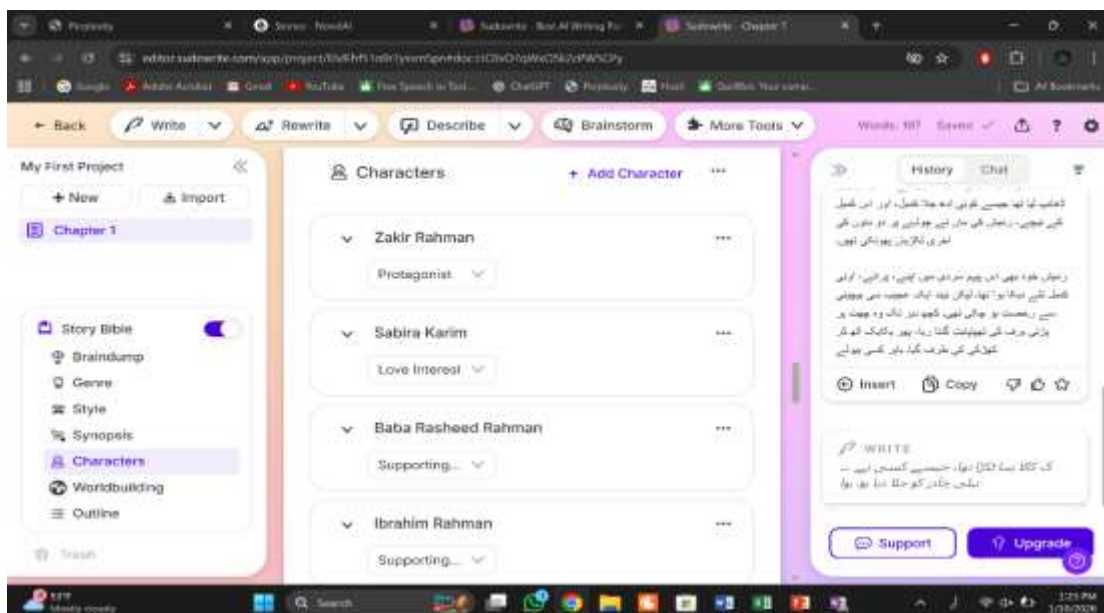
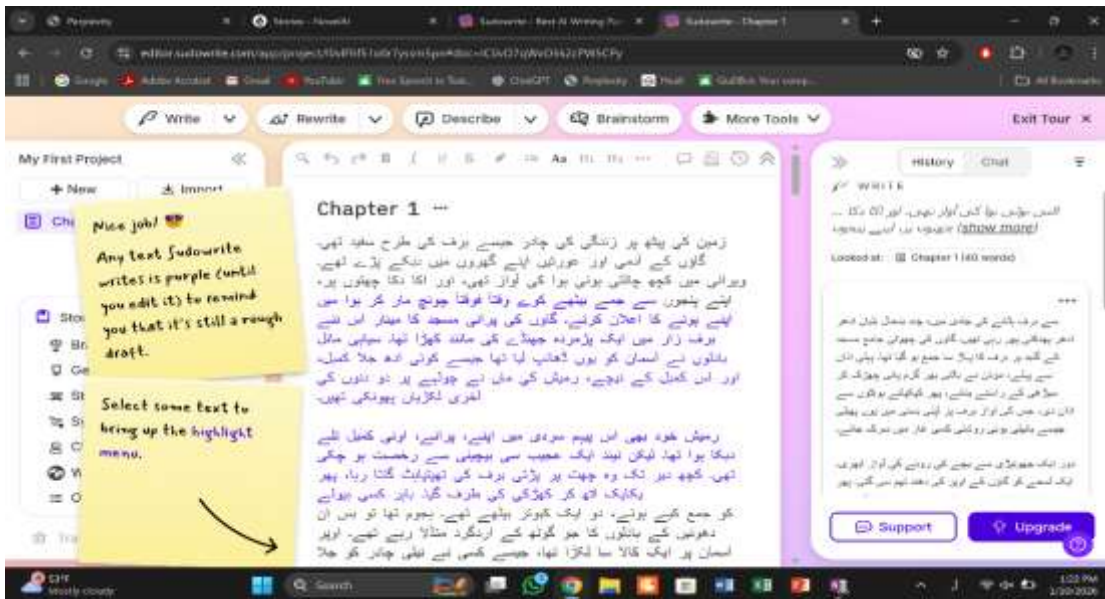
\*نتیجہ\*:

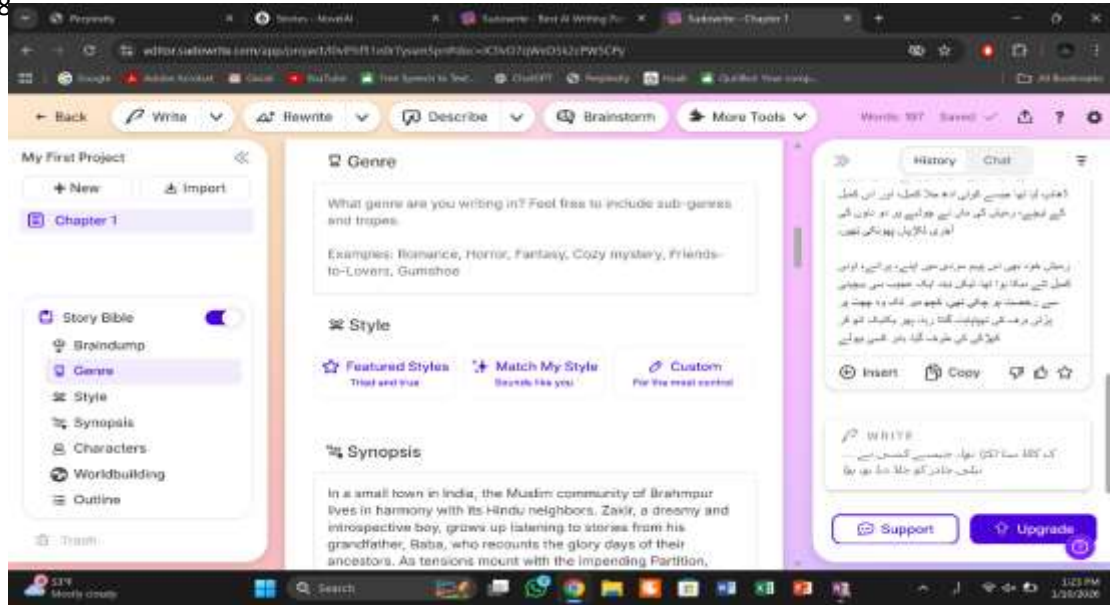
\* AI بیانیہ نثر \* تو پیدا کر سکتا ہے، لیکن \* ادبی وجدانی تحریر \* کی \* روح، ابہام، علامت اور جمالیاتی تہ داری \* نہیں پیدا کر سکتا۔

\* مستنصر تارڑ کا "بہاؤ" قاری کو خود دریافت کا سفر دیتا ہے، جب کہ AI محض وضاحت کرتا ہے۔ \*

اگر آپ چاہیں تو کسی اور اقتباس پر بھی یہی تجربہ کیا جا سکتا ہے۔" \* (27)

مصنوعی ذہانت کی مختلف اپیلیکیشنز میں Sudowrite ایک ایسی ایپ ہے جو خاص طور پر کہانی نویسی، ناول نگاری اور تخلیقی ادب میں معاون ہے۔ اسے انتظار حسین کے ناول "بستی" کے موضوع کو بنیاد بنا کر اسی انداز کا ایک ناول لکھنے کا کہا گیا۔ اس اپیلیکیشن کی تخلیقی مہارت دیکھیے:





مصنوعی ذہانت اب تخلیق کے ساتھ ساتھ تحقیق میں بھی حصہ دار بننے کے درپہ ہے۔ موضوع کی مناسبت سے تحقیقی لائحہ عمل طے کرتی ہے اور پلک جھپکتے محققین کو ان کے فراہم کردہ موضوعات کی ابواب بندی کر دیتی ہے:

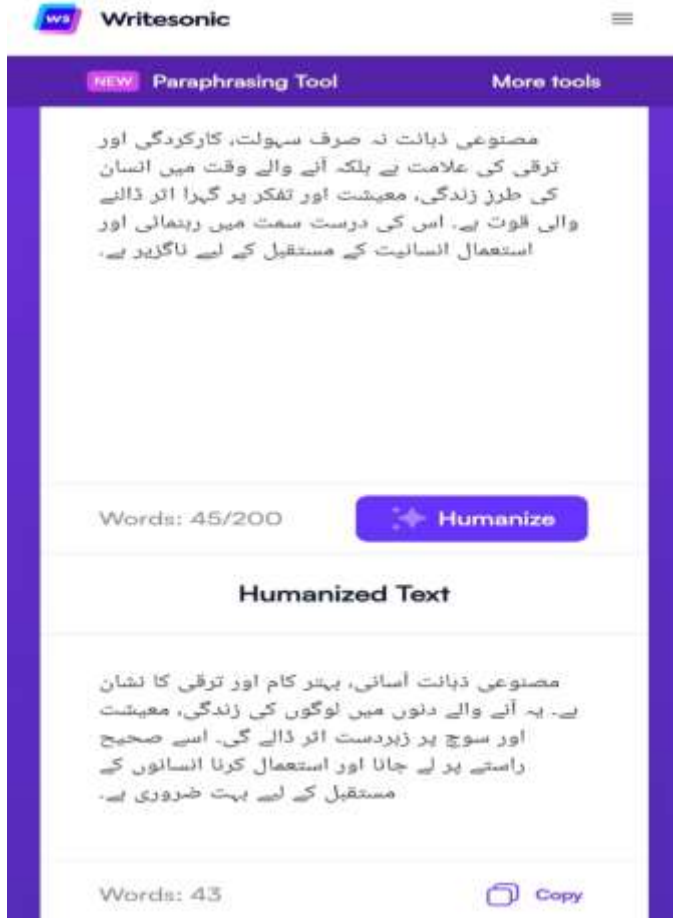




جب ابواب کی تعداد کم کرنے کا کہا گیا تو کمال مہارت ملاحظہ ہو:



مصنوعی ذہانت کو اس انداز میں تربیت دی جا رہی ہے کہ وہ انسانی طرزِ فکر، لہجے اور جذبات کی عکاسی کر سکے۔ اب متن کو انسان نما بنانے کے لیے AI لسانی، نفسیاتی، اور ثقافتی حوالوں کو بھی مد نظر رکھتی ہے اور یہ انسان نما اظہار قاری کو ایسا محسوس کراتا ہے جیسے کوئی حساس، باشعور فرد مخاطب ہو۔ انسان نما متن کا مقصد مشینی اور انسانی فاصلہ کم کرنا ہے تاکہ مکالمہ زیادہ فطری محسوس ہو۔ مصنوعی ذہانت کے لکھے گئے چند جملے انسان نما انداز میں دیکھیے:



قابلِ غور بات یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت کے مختلف ذرائع (Applications) میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ان کی کارکردگی کو بڑھانے کے لیے بھی نئے میکانزم متعارف ہو رہے ہیں۔ مندرجہ بالا تمام مثالیں واضح کرتی ہیں کہ مؤثر قرینے سے اس راہنمائی سے فیض اٹھایا جاسکتا ہے اور اس صورتِ حال میں حقیقی ادیبوں کو اس سے کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ بقول ڈاکٹر انوار احمد:

”یہ میکانیکی توسیع شدہ ذہانت دوسرا میر پیدا نہیں کر سکتی، نہ ہی دوسرا غالب، نہ دوسرا مجید  
آجندہ، نہ منٹو۔“ (28)

عہدِ حاضر کی مشینی زندگی میں جذبات و احساسات کے اظہار کے لیے اب مختلف علامتیں مستعمل ہیں جو مختلف ایموجیز (Emojis) کی صورت موجود ہیں۔ اب آپ کو کچھ لکھنے اور سوچنے کی زحمت کی بھی ضرورت نہیں رہی فوراً ایک علامت بھیج دی جاتی ہے۔ یہ علامت یا اشارہ ایک فوری اظہار ہو سکتا ہے مگر شدتِ جذبات، نفسیاتی پس منظر، داخلی کشمکش، احساس کی تہ داری اور جذبات کے تناؤ کے بیانیہ کاموثر وسیلہ نہیں۔

مذکورہ بالا نکات کی روشنی میں ایک اور اہم سوال ذہن میں جنم لیتا ہے کہ کیا مصنوعی ذہانت کا بڑھتا ہوا استعمال ادیب و تخلیق کار کی ذہنی صلاحیتوں کو متاثر کرے گا تو اس کا جواب بیک وقت نفی اور ہاں میں ہے۔ تن آسانی اور سہل پسندی انسانی مزاج کا حصہ ہے۔ یہ ذہنی اور جسمانی سطح پر منفی اثرات کا باعث ہوتی ہے۔ انسانی ذہن یا تخلیقی سوچ کو ہمیز دینے کے لیے غور و خوض اور تفکر کا عمل جاری رہنا چاہیے۔ اے آئی کے بڑھتے ہوئے استعمال سے تخلیقی سوچ ماند پڑ جانے کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔



یہی حال تخلیقی اذہان کا بھی ہو سکتا ہے۔ انسانی ذہن غیر فعال، جامد اور سست ہو جانے کی صورت میں ادیب اور ادب کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ خیالات میں تازگی اور تنوع "دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار بند" نظیر اکبر آبادی نے قدرے مختلف حالات کی عکاسی کے لیے لکھا تھا تاہم زورِ طبع کے متحرک اور فعال رہنے میں بقا ہے۔ طبع رواں ادب کی تخلیقیت کے لیے لازم ہے ڈاکٹر سعادت سعید کے بقول:

”مصنوعی ذہانت کا بے جا استعمال تخلیق کار کی ذہنی صلاحیتوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ اگر ادیب تحقیق، سوچ بچار اور لفظوں کی جستجو کے لیے مکمل طور پر مشین پر انحصار کرنے لگے، تو اس کی اپنی فکر زنگ آلود ہو سکتی ہے۔ اسے ایک معاون کے طور پر استعمال کر کے ادیب معلومات تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، جس سے اس کے کام میں وسعت آ سکتی ہے۔ بڑا خطرہ یہ ہے کہ سہل پسندی انسان کی اس گہری سوچ کو ختم نہ کر دے جو بڑے ادب کی تخلیق کے لیے ناگزیر ہے۔“ (29)

زمانے کی رفتار مدام یکساں نہیں رہتی اس لیے بدلتے وقت کے ساتھ اپنے اندر تبدیلیاں لازم ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنا وقت کی ضرورت ہے لیکن اصل بات یہ ہے روایت اور جدت میں توازن برقرار رکھا جائے۔ محمد حمید شاہد کہتے ہیں:

”مصنوعی ذہانت اب ایسی حقیقت ہے جس کے مقابل ہونا ہی پڑے گا۔ آپ وقت کا پہیہ ماضی کی طرف نہیں موڑ سکتے، اس کی راہ میں جو رکاوٹ بنے گا اس پہیے کے نیچے کچلا جائے گا۔ یہ ایسا جن ہے جو بوتل سے نکل آیا ہے اور ہاتھ باندھے آپ کے سامنے کھڑا، آپ کو آقا کہہ کر پوچھ رہا ہے کہ اس کے لیے کیا حکم ہے۔ آپ چاہیں نہ چاہیں اس سے مدد لینے کو اپنے آپ کو مجبور پائیں گے، آج نہیں تو کل۔ اور جب آپ اس سے مدد لیں گے تو یہ سوال محض ٹیکنالوجی سے مدد کا نہیں رہے گا، تخلیقی خود مختاری اور ادبی اخلاقیات کا سوال بن جائے گا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنوعی ذہانت کا استعمال بڑھے گا۔ یہ اوسط درجے کے ادیبوں کی ذہنی صلاحیتوں کو منفی طور پر متاثر کرے گی۔ وہ ابتدائی خیال سے لے کر مکمل تحریر تک اسی سے حاصل کرنے لگیں گے اور ان کے ہاں تخلیقی سطح پر سوچنے اور محسوس کرنے کا عمل رک جائے گا، زبان پر ذاتی گرفت نہ رہے گی، ان کے ہاں ذاتی اسلوب کے نمو کے امکانات نہ رہیں گے اور جو کچھ وہ مصنوعی ذہانت کی مدد سے ”اضافہ“ کریں گے وہ ایک تحریر یا پراڈکٹ تو ہوگی، تخلیق نہ ہوگی۔ جینوئن ادیبوں کے لیے مصنوعی ذہانت مددگار ہو سکتی ہے۔ میں اوپر اس کی صورتیں بتا چکا ہوں، یہی کہ مصنوعی ذہانت سے اپنے خیال کے مطابق ابتدائی خاکہ یا امکانات کی فہرست بنائی جاسکے گی۔ یوں سوچ کے کئی رخ سامنے آئیں گے اور ایک جینوئن ادیب ان پر اپنا ذہن استعمال کر کے اور اپنے احساسات کے مطابق تشکیل نو کرنے کے لیے اپنے اسلوب میں ڈھال کر تخلیق بنا لے گا۔ مجھے لگتا ہے تخلیقی عمل میں یہ شراکت، جو ایک حد تک رہے گی، مستقبل میں معیوب نہیں رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح جینوئن ادیبوں کو نئے نئے زاویوں سے سوچنے اور نیا لکھنے کی زیادہ تحریک ملے۔ میرا خیال ہے کہ مصنوعی ذہانت اس تیز دھار آلے کی مانند ہے جو ایک سرجن کے ہاتھ میں ہو تو نشتر ہو جاتا ہے اور ڈاکو کے ہاتھ لگے تو خنجر۔ تخلیق کاروں کو اس کے استعمال کے مثبت قرینے سیکھنے ہوں گے۔“ (30)

”مصنوعی ذہانت کا فروغ ادیب اور تخلیق کار کی ذہنی صلاحیتوں متاثر کرے گا، جیسے کیلکولیٹر نے بچوں سے حسابی استعداد سلب کر لی ہے تو مذکورہ ڈیپینڈینسی تخلیقی جوہر کو زنگ آلود کرے گی۔ ہاں! ٹیکنالوجی سے زندگی کو آسان کرنے کا سرمایہ دارانہ ہدف ضرور پورا ہو رہا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ کاتب / خطاط کی جاب ختم ہو چکی ہے اب ہر طرح کا فونٹ / پوائنٹ کمپیوٹر میں موجود ہے، کمپوزر ضرورت کو پورا کر رہا ہے بلکہ بہت تیزی کے ساتھ لیکن کچھ چھن بھی تو گیا۔ کوئی فن مر بھی تو گیا۔ نہیں انکار کہ کہا جاسکتا ہے زیست جب آگے بڑھتی ہے تو فنا ہو جانے والی چیزیں فنا ہو جایا کرتی ہیں۔ اب یہ بری ہے یا بھلی ہے بہر حیث ڈی فیکٹو حقیقت ہے کہ ثقافت اپنا نیارخ سامنے لے آتی ہے۔ وہ ساری تخلیقی اصناف جن سے ہم تخلیقیت کو جوڑے ہوئے ہیں، یہی باقی نہ رہیں، وہ آرٹ جسے ہم آرٹ یقین کرتے ہیں یہی موت کے گھاٹ اتر جائے۔ اس پہلو سے تو سب ممکن ہے۔ کلچر ایک اور روپ میں سامنے آجائے تو اسے واقعی نہیں روکا جاسکتا۔ روبوٹ جب انسان کی جگہ لے کر فعال ہو گیا تو پھر موجودہ انسان کی رحلت پر کیسا نوحہ! جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا۔ جب یہ انسان ہی نہیں رہے گا تو اس کا احساس و وجد ان اور تخلیقی اوصاف بھی ختم ہو جائیں گے۔“ (31)

مصنوعی ذہانت ایک طاقتور مگر غیر جذباتی ذریعہ ہے۔ اس کا استعمال انسانی شعور، اخلاقیات اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ ہونا چاہیے، ورنہ امکانات کی زمین سہولت کے بجائے آزمائش بن سکتی ہے۔ بقول ڈاکٹر یوسف خشک:

”اگر AI کو ذہنی سہولت کے بجائے ذہنی متبادل بنالیا جائے تو یہ تخلیق کار کی فکری صلاحیتوں کو متاثر کر سکتی ہے۔ اس کے ممکنہ منفی اثرات میں تخلیقی جستجو میں کمی، زبان پر انحصار کم ہونا، اسلوبی انفرادیت کا زوال شامل ہیں۔ اس کا محتاط اور اخلاقی استعمال تخلیق کو سہارا دے سکتا ہے، مگر اندھا انحصار تخلیقی بانجھ پن پیدا کر سکتا ہے۔ چونکہ ادب کا اصل سرچشمہ انسانی تجربہ، درد، سوال اور شعور ہے۔ اور یہ اوصاف صرف انسان کے پاس ہیں۔“ (32)

”مصنوعی ذہانت کے تخلیقی صلاحیتوں پر جہاں تک منفی اثرات کا تعلق ہے تو اس میں تخلیق کے مشکل عمل سے بچنے کے لیے AI پر انحصار بڑھ سکتا ہے، جس سے تخلیقی صلاحیتیں کمزور پڑ سکتی ہیں۔ اگر سب AI ٹولز ایک جیسے ڈیٹا پر ٹرین ہوں تو تحریروں میں یکسانیت آسکتی ہے۔ خیالات کی اصلیت پر سوال اٹھ سکتے ہیں۔ اسی طرح مثبت اثرات بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ تخلیق کاروں کے لیے ایک طاقتور آلہ کار بن سکتا ہے خیالات کی کشادگی مسودے کی تدوین نئے اسلوبوں کے تجربات کے لیے۔ اس بحث کو آگے بڑھایا جائے تو دبستانوں کا زوال والا معاملہ سامنے آئے گا۔ مصنوعی ذہانت کسی بھی اسلوب کی نقل کر سکتا ہے۔ اس سے ممکن ہے کہ روایتی دبستانوں کی اہمیت کم ہو اور ہر تخلیق کار کو اپنی انفرادی آواز پر زیادہ زور دینا پڑے۔ میری ذاتی رائے یہ بھی ہے کہ AI ادب کی دنیا میں ایک انقلاب لائے گا جیسے پرنٹنگ پریس یا انٹرنیٹ لایا تھا۔ یہ حقیقی ادیبوں کا خاتمہ نہیں کرے گا بلکہ ان کی تعریف بدل دے گا۔ اصل تخلیق کار وہ ہو گا جو AI کو ایک برش کی طرح استعمال کرے جو اپنے گہرے انسانی تجربے، فلسفے اور جذبات کو AI کی تکنیکی مہارت کے ساتھ ملا کر ایک نئی قسم کی خوبصورتی تخلیق کرے گا۔ ادب، انسان کی اپنی ذات اپنے

وجود اور اپنے ہم عصروں سے مکالمہ ہے۔ جب تک یہ مکالمہ جاری ہے، حقیقی انسانی تخلیق کی اہمیت برقرار رہے گی۔ AI اس مکالمے کا ایک نرا، طاقتور اور پراسرار شراکت دار بن سکتا ہے، لیکن اس مکالمے کا بنیادی محرک انسانی روح ہی رہے گی۔“ (33)

”مصنوعی ذہانت سے تخلیق کار کی ذہنی صلاحیت متاثر ہوگی۔ انگریزی میں کہتے ہیں کہ forbidden fruit are very sweet جس کام سے منع کیا جائے تو وہ بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ لہذا اس زمانے کا ادیب مصنوعی ذہانت کی طرف اس لیے بھی جھانکتا ہے، دیکھتا ہے کہ آخر اس میں ہے کیا؟ تو جب وہ اس کو دیکھتا ہے تو متاثر تو ہوتا ہے۔ چیزیں بھی سامنے آتی ہیں اور چیزیں اتنے بہترین طریقے سے مصنوعی ذہانت آپ کے سامنے پیش کرتی ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو۔ یہ مصنوعی ذہانت صرف ادب کو نہیں آپ کے پورے سماج کو اور پوری دنیا کو متاثر کر رہی ہے اور آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اس سے نفرت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اسے پیار کیجئے۔ اگر مصنوعی ذہانت کوئی بہت بڑی بلا ہے تو آپ اس سے دوستی کریں اور اس کو راہ راست پر لے آئیں۔ اس کو آپ روک نہیں سکتے۔ آپ اس کو اپنی زندگی میں پاؤں اور مثبت چیزوں میں لے آئیں۔ ہمارا صرف ایک ہی بڑا المیہ ہے اور وہ یہی ہے کہ جو تخلیق کار ہوتا ہے، وہ بڑا حساس ہے اور وہ جو حساس تخلیق کار ہے تو مصنوعی ذہانت تو احساس ہی نہیں رکھتی۔ زندگی میں ہم بہت سارے انسان دوستی پر لکھنے والے اور حساس ادیبوں سے ملتے ہیں لیکن وہ اپنی نجی زندگی میں کس قدر ظالم اور شدید اور سخت ہوتے ہیں اور دوسری طرف اگر آپ یہ کہیں کہ یہ تو پرانی تحریر ہوگی۔ اگر مصنوعی ذہانت سے کوئی لکھے اور یہ تو جھوٹی تحریر ہوگی تو کیا اس وقت آپ کو جو معاصر منظر نامہ ہے اس میں دوسروں کی تحریروں پر اپنے نام ڈال کر پیش کرنے والے ادیب نہیں ملتے ہیں؟ ملتے ہیں۔ تو جب خود انسان ہی بہت ساری چیزوں میں جھوٹ بولتا ہے تو پھر مصنوعی ذہانت سے اس کو کیا خوف ہے اور جب تک ہمارا سماج اور ہمارا معاشرہ جھوٹ پر مبنی ہے تو ہم یہ رائے دینے کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ مصنوعی ذہانت جو ہے وہ دوسروں کی چیزیں اٹھائے گی اور ہمارے سامنے پیش کرے گی۔ یہ تخلیق کار کی ذہنی صلاحیتوں کو متاثر کرے گی لیکن اس سے ہمیں خوف کی ضرورت نہیں ہے ہم متاثر ہوئے تو ہم اس سے مثبت متاثر ہوں اور ہم دنیا سے جھوٹ نہ بولیں ہم دنیا کو سچ بتائیں۔“ (34)

یہ ٹیکنالوجی جہاں زبان، فہم اور مکالمے کے انداز کو وسعت دے رہی ہے وہیں یہ نئی نسل کے لیے علمی خود کفالت اور فکری جستجو کی راہیں کھول رہی ہے۔ اگرچہ اس کے استعمال میں احتیاط، تنقیدی شعور اور اخلاقی بصیرت کی ضرورت ہمیشہ باقی رہے گی۔ تمام پیش رفت اس بات کا ثبوت ہے کہ AI اب تحقیق سے نکل کر عملی زندگی کا مؤثر حصہ بن چکی ہے۔

وقت کی رفتار کے ساتھ چلنا اور زمانہ کی باگھ تھام لینا ہی اصل اور حقیقی ذہانت ہے کیونکہ اب مصنوعی ذہانت کے بل پر فیصلہ ہو گا کہ کون خواندہ ہے اور کون ناخواندہ؟ تعلیم اور تحقیق کے میدان میں اس کی ناگزیریت سے انکار ممکن نہیں۔ اقوام متحدہ کے پائیدار ترقی کے اہداف، جنہیں SDGs – Sustainable Development Goals) کہا جاتا ہے، اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک نے 2015ء میں متفقہ طور پر منظور کیے۔ یہ اہداف 2030ء ایجنڈا برائے پائیدار ترقی کا حصہ ہیں، اور ہر مقصد کے تحت متعدد ذیلی اہداف (Targets) اور کارکردگی کے پیمانے (Indicators) طے کیے گئے ہیں۔ یہ اہداف ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ان کا تعلق معاشی ترقی، سماجی بہبود،

اور ماحولیاتی تحفظ تینوں پہلوؤں سے ہے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی تحقیقی تجاویز کے مطابق اب بین المذاہب (Interdisciplinary Research) تحقیق پر زور دیا جا رہا ہے۔ خصوصاً پی ایچ ڈی کے سطح کے مقالے کا وہ جس بھی مضمون سے تعلق رکھتا ہو پائیدار ترقی کے اہداف میں سے کسی ایک کو ہدف بنانا ضروری ہے۔ ایسی صورت حال میں مصنوعی ذہانت کی رہنمائی بہت اہمیت کی حامل ہے جو ایک موضوع پر ایک وقت میں کئی ایک مقالہ جات و مضامین کے لنک فراہم کر دیتی ہے۔

مصنوعی ذہانت کی حدود طے ہیں۔ انسانی ذہن نے اسے جس قدر اور جتنی معلومات دیں اور اس کے لیے جو دائرہ طے کیا ہے وہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ مستقبل میں مصنوعی ذہانت کی ناگزیری حقیقی ذہانت کی ناگزیری کو بھی بڑھا دے گی۔ مصنوعی ماحول سے نپٹنے کے لیے انسانی ذہانت کی وسعت کی ضرورت ہوگی۔ مصنوعی ذہانت کا ارتقاء وایتی طرز فکر کے حامل سماج کے لیے موت کا پیغام ہے۔

مصنوعی ذہانت کے خود مختار فیصلے لینے سے انسانوں کے فیصلے متاثر یا کمزور ہو سکتے ہیں۔ مشینی ذہانت کی ترقی نے اس تصور کو چیلنج کر دیا ہے کہ صرف انسان ہی اس کائنات کا مرکز ہے اب اس بدلتے ہوئے منظر نامے میں انسان کی اپنی شناخت کا سوال، ترقی سے زیادہ اہم ہے۔

یہاں ایک اور پہلو غور طلب ہے کہ نوجوان نسل جو خود کار اور خود اندیش مشینوں کی بھول بھلیوں میں گم ہے کیا وہ کسی ایسی عبارت کی منتظر ہوگی جس سے وہ لطف اٹھا سکے یا ایسی تحریر کی جو اس کے زخموں کا اندمال کر سکے۔ انسانی معاملات و تعلقات اب ویسے رہے نہیں کہ جذبات و احساسات کو کوئی گزند پہنچے دل کو ٹھیس لگے۔ مشینی زندگی سے تعلق رکھنے والا انسان اب مشینی کیفیات سے ہی واقف ہے۔ یہ نئے دور کا آغاز ہے یا ایک بھر پور فعال، مستعد، خیر انگیز زندگی کا انجام، فیصلہ وقت کے ہاتھوں میں ہے۔

دوسری طرف معاشی، سماجی، سیاسی اور سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ تخلیقی سرگرمیاں بھی بے حد ضروری ہیں اور یہ کسی مشین کے ذریعے ممکن نہیں۔ مصنوعی ذہانت رہنمائی کر سکتی ہے خیال کو ایک سمت دکھا سکتی ہے مگر اس میں زندگی کا رنگ نہیں بھر سکتی۔ مصنوعی ذہانت کسی کے ذاتی تجربے کے بیانے میں وہ روح نہیں پھونک سکتی جو پورے وجود میں سنسنی دوڑا دے۔ سماج میں وقوع پذیر تبدیلیاں مشین کو فراہم کردہ معلومات کے تناظر میں پیش کی جاسکتی ہیں مگر کسی ذاتی انسانی تجربے کو زندگی کے زیر و بم اور سوز کے بغیر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

مکنہ طور پر مصنوعی ذہانت انسانی زندگی کی تفہیم و تعبیر اس انداز سے نہیں کر پائے گی کہ ایک مضمون کو سورتوں سے باندھ سکے۔ صدیوں پر محیط کرب اور مختصر لمحوں کے نشاط کا بیان اس کے بس سے باہر ہے۔ اردو تہذیب کی زبان ہے اور تہذیب کی تعمیر و تشکیل زندگی کے تجربات اور نسل در نسل کے واقعات سے ممکن ہے۔ اگر تہذیبی تجربات کو مشین تجربہ میں ڈھال کر پیش کیا جائے گا تو عبارت کا وہ لطف کیسے حاصل ہو پائے گا جس میں صدیاں سانس لیتی ہیں۔ مصنوعی ذہانت ماضی سے گہری وابستگی، ربط اور تہذیب و تارتخ کا ارتباط کیسے کر پائے گی جبکہ ادب خلا میں پیدا نہیں ہوتا تخلیقی عمل کے پیچھے بہت سے عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ اچھا ادب پختہ تمدن کا ثمر ہوتا ہے جب تک کوئی مستقل تمدنی روایات پیچھے نہ ہوں ادب کے لب و لہجہ میں نہ لطافت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی عظمت۔ کیا مصنوعی ذہانت کثیر الثقافتی معاشروں کے فرق کو ملحوظ

رکھ سکتی ہے؟ ادب پر جغرافیائی اثرات اہم ہیں۔ کیا اے آئی زمان و مکاں کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر سوال کرنے والے کے مقام یا جغرافیے کا اندازہ لگا کر تحریر بنائے گی؟ مستقبل قریب میں ان سوالوں کا سامنا ہو گا۔

امکان یہ بھی ہے کہ مصنف اور AI کے اشتراک سے نئی اصناف جنم لیں "مشتکہ تخلیق"، "نیم خودکار کہانی نویسی"، "ڈیجیٹل شاعری" وغیرہ۔ اے آئی کی موجودگی سے اردو ادب کی جمالیات میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ تجرید، علامت اور تشبیہ جیسے پہلو شاید نئے انداز میں سامنے آئیں یا مکمل نئے "ڈیجیٹل اسالیب" پیدا ہوں۔

قدامت پسند اور جدید ٹیکنالوجی سے نابلد شاعر، ادیب اور محقق کا مستقبل بظاہر چیلنجز سے بھرپور ضرور ہے لیکن مکمل طور پر معدوم نہیں کیونکہ ادب کا اصل سرچشمہ انسانی تجربہ، جذبات اور مشاہدہ ہے جو کسی بھی مشین سے بالاتر ہے۔ تکنیکی لاعلمی ایک رکاوٹ ضرور ہے۔ ٹیکنالوجی سے ناآشنائی، خیالات کے پھیلاؤ، اشاعت اور قارئین تک رسائی میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ آج کے دور میں ڈیجیٹل پلیٹ فارمز، ریسرچ ڈیٹابیس، اور سافٹ ویئر کا استعمال بنیادی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ ایسی صورت حال میں ادیب اور محقق اگر سیکھنے سے گریز کریں تو وہ نئے قارئین، محققین، یا اشاعتی مواقع سے محروم ہو سکتے ہیں۔ دنیا جس نہج پر چل رہی ہے ایسے میں مستقبل میں صرف وہی شاعر، ادیب اور محقق کامیاب ہوں گے جو روایت اور جدیدیت میں امتزاج پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ صرف قدامت پر اصرار، اور سیکھنے سے انکار، ادب و تحقیق کی دنیا میں تنہائی کا باعث بن سکتا ہے۔

مصنوعی ذہانت اردو ادب کو وسعت دے سکتی ہے، بدل نہیں سکتی۔ انسانی تخلیق اپنی معنویت، ثقافت، جذبات اور تجربے کے باعث ہمیشہ مرکزی رہے گی۔ تاہم، ادب کا افق وسیع ضرور ہو گا اور اسی تناظر میں "تخلیق" کے مفہوم کو از سر نو سمجھنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔

#### حوالہ جات

1. شمیم حنفی۔ تارن تہذیب اور تخلیقی تجربہ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2006ء۔ ص 9
2. Yan Hu. Literature in the Age of Artificial Intelligence: A Preliminary Study on the Big Language Model  
AI.UK: School of Management, University o Stirling, 2023-p1785  
<https://www.researchgate.net/>
3. حسن عسکری۔ مجموعہ محمد حسن عسکری۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2008ء۔ ص 72
4. امیر مینائی۔ دیوان امیر۔ لکھنؤ: منشی نول کشور، 1923ء۔ ص 105
5. ڈاکٹر جمیل جالبی۔ ادب کلچر اور مسائل۔ کراچی: پاکستان نیشنل اکیڈمی، 1986ء۔ ص 42
6. بخوالہ راہی معصوم رضا۔ یاس یگانہ چنگیزی۔ الہ آباد: شاہین پبلشرز، 1967ء۔ ص 144
7. بخوالہ ممتاز حسین، پروفیسر۔ ادب اور لاشعور۔ کراچی: ادارہ نقد ادب، 1992ء۔ ص 111

8. مینجر پانڈے۔ ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر سرور الہدی (مترجم)۔ نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 2006ء۔ ص 32
9. مرزا غالب۔ دیوان غالب اردو (نسخہ عرشی) (مرتبہ) امتیاز علی عرشی۔ نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، س۔ن۔ ص 304
10. ساغر صدیقی۔ دیوان ساغر صدیقی (مرتبہ) فرحت صبا۔ لاہور: خیام پبلشرز، 1990ء۔ ص 123
11. پروین شاکر۔ ماہ تمام۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 1995ء۔ ص 115
12. واٹس ایپ جی پی ٹی / 3 جنوری 2026ء
13. Stuart.J.Russell and Peter Norving-Artificial Intelligence( A Modern Approach)New Jersey:Pearson Education, Third Edition,2010-p1051
14. ن۔م۔ راشد۔ کلیات راشد۔ دہلی: کتابی دنیا، 2004ء۔ ص 496
15. واٹس ایپ جی پی ٹی / 15 دسمبر 2025ء
16. واٹس ایپ جی پی ٹی / 16 دسمبر 2025ء
17. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر جمیل احمد عدیل سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 21 دسمبر 2025ء
18. ایضاً
19. ڈاکٹر نائیلہ انجم، محمد حمید شاہد سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 22 دسمبر 2025ء
20. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر سعادت سعید سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 22 دسمبر 2025ء
21. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر عامر سہیل سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 22 دسمبر 2025ء
22. [https:// www.rekhta.org/](https://www.rekhta.org/)
23. واٹس ایپ جی پی ٹی / 31 دسمبر 2025ء
24. ڈاکٹر ناصر عباس تنیر۔ مصنوعی ذہانت اور ادب کی تخلیق: خطرات و امکانات، مشمولہ، مصنوعی ذہانت: حریف یا حلیف (مرتبہ) ڈاکٹر حنا جمشید۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2025ء۔ ص 29-30
25. واٹس ایپ جی پی ٹی / 31 دسمبر 2025ء
26. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر علی بیات سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 22 دسمبر 2025ء
27. واٹس ایپ جی پی ٹی / 15 دسمبر 2025ء
28. ڈاکٹر انوار احمد۔ مصنوعی ذہانت، بمقابلہ انسانی ذہانت، مشمولہ، مصنوعی ذہانت: حریف یا حلیف (مرتبہ) ڈاکٹر حنا جمشید۔ ص 271
29. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر سعادت سعید سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 22 دسمبر 2025ء
30. ڈاکٹر نائیلہ انجم، محمد حمید شاہد سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 22 دسمبر 2025ء
31. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر جمیل احمد عدیل سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 21 دسمبر 2025ء
32. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر یوسف خٹک سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 21 دسمبر 2025ء
33. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر عامر سہیل سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 22 دسمبر 2025ء
34. ڈاکٹر نائیلہ انجم، ڈاکٹر الطاف یوسف زئی سے انٹرویو، تحقیقی سوالنامہ، بذریعہ واٹس ایپ / 23 دسمبر 2025ء